صبغۃُ اللّٰہ
اللّٰہ کا رنگ
(ناول)
سویرا ثاقب

صبغۃ اللہ

اللہ کا رنگ

سویرا ثاقب

انتساب

ناول صبغۃُاللہ میری بے بے کے نام۔

جن کے جانے کے بعد وقت کی رفتار تو وہی رہی، مگر زندگی کی معنویت بدل گئی۔

جن کی تہجد کی دعاؤں نے مجھے تھاما، اور میرے اندر کے اندھیرے کو روشنی میں بدل دیا!

بے بے آپ نہیں رہیں، لیکن آپ کی تربیت، آپ کی محبت اور آپ کی دعا میرے ہر صفحے پر سانس لیتی رہے گی۔

صبغۃُاللہ آپ کے نام کہ آپ کے جانے کے بعد کچھ بھی ویسا نہیں رہا۔۔۔

مقدمہ

ناول صبغۃُ اللّٰہ میں نے اپنی زندگی کے مشکل ترین حالات میں لکھا، تب جب آزمائش میری دہلیز پر کھڑی تھی۔ یہ اُن ساعتوں کی تحریر ہے جب انسان مایوسی کی کھائی کے کنارے، بے بسی کی آخری سرحد پر کھڑا ہو کر خود کو بے کار اور بے وزن محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اُن لمحوں کا عکس ہے جب بظاہر ہر در بند ہو جاتا ہے، جب محسوس ہوتا ہے کہ زمین و آسمان اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود انسان پر تنگ ہو گئے ہیں، اور جب ہر انسانی سہارا چھن جانے کے بعد اپنی ہی سانسوں کی آواز سے دہشت ہونے لگتی ہے۔

یہ ناول ایک فرضی کہانی کے قالب میں، مختصر مگر بامعنی لفظوں کے ذریعے قاری کو یہ یقین دلانے کی اک عاجزانہ کوشش ہے کہ جب تمام سہارے چھوٹ جائیں، جب تنہائی چاروں اطراف سے گھیر لے، اور جب ہر در بند دکھائی دے، تو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ایک در ایسا بھی ہے جو ہمیشہ کھلا رہتا ہے، ایک در جو ہر وقت آپ کا منتظر ہوتا ہے۔

یہ ناول اس احساس کو جگانے کی ایک کوشش ہے کہ زندگی کی سخت آزمائشیں ہمیں توڑنے نہیں بلکہ ہمیں ہمارے خالق کے قریب کرنے آتی ہیں۔ ہر کٹھن امتحان انسان کے سامنے دو راستے رکھ دیتا ہے: یا تو وہ اسے اپنے رب سے دور کر دیتا ہے، یا پھر اُسی کے مزید قریب لے آتا ہے۔ وہ لمحہ جب خوف، دہشت اور بے بسی انسان کے وجود پر حاوی ہو جاتی ہے، ایک یہ کہ وہ مایوسی کو اختیار کر کے خود کو ہلاکت کے سپرد کر دے اور ابدی کامیابی سے محروم ہو جائے؛ اور دوسرا یہ کہ وہ انہی نازک لمحات میں اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنا آپ اُس کے سپرد کر دے، اُس کی اطاعت کو لازم پکڑ لے، اور نافرمانی کی گرد کو اپنے وجود سے دھو کر صبغۃُ اللّٰہ اللّٰہ کے رنگ۔۔۔۔ کو اختیار کر لے۔

صبغۃُ اللّٰہ ہی وہ بہترین رنگ ہے جو انسان کو لوگوں کے سہاروں سے بے نیاز کر کے اللّٰہ کا پسندیدہ بنا دیتا ہے، جس کے بعد انسان کی امیدوں کا مرکز کوئی انسان نہیں رہتا، بلکہ فقط اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ناول کسی ایک ٹوٹے ہوئے دل میں بھی امید جگا دے، اور کسی ایک روح کو بھی خالقِ حقیقی سے جوڑ دے، تو یہی اس کی قبولیت ہو گی۔

گرمیوں کی تپتی ہوئی دوپہر، سورج جیسے آگ برسا رہا تھا

وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے آخر کار گھر کی دہلیز پر پہنچی۔

اسکول کے یونیفارم پر پسینہ چپک چکا تھا، سفید رنگ کا اسکارف بے ترتیبی سے گردن کے گرد لپٹا ہوا تھا۔

دروازہ بند کرتے ہی اس نے بے ساختہ آواز دی،

"اماں جان... مجھے بہت زیادہ بھوک لگی ہے۔ آپ نے کھانا بنایا کیا؟"

اندر سے ماں کی آواز آئی، تھکی ہوئی، بوجھل، مگر محبت میں بھیگی ہوئی۔

"بیٹا، سالن تو بنا دیا تھا... مگر روٹی نہ بنا سکی، آٹا جو نہیں گوندھا ہوا تھا، تم کپڑے بدل لو، میں ابھی تندور سے روٹی لے آتی ہوں۔"

یہ سنتے ہی روباب کے لہجے میں ناگواری اتر آئی، وہ غصے سے بولی "اماں جان! آپ جانتی ہیں نا مجھے کتنی بھوک لگی ہوتی ہے، ہر روز یہی بات سننے کو ملتی ہے۔ دیکھیں ناچچی جان کو... وہ کیسے اپنی بیٹی کے لیے پہلے ہی سب کچھ تیار رکھتی ہیں۔

یہاں تو اپنے سارے کام میں خود کرتی ہوں اور ایک وقت کا کھانا بھی بنا نہیں ملتا، وہ بولتی رہی، اور اماں جان سنتی رہی۔

روباب اپنی چچی کا حوالہ دے رہی تھی، جو اپنی بیٹی عنایہ کیلئے سب کچھ تیار رکھتی تھی اور عنایہ جو روباب سے پانچ سال بڑی بھی تھی کانچ کی گڑیا کی طرح اپنے ماں باپ کے زیرِ سایہ پل رہی تھی۔

روباب اپنی اماں جان سے مخاطب تھی...

جو کہ اب بوڑھی ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکی تھی، سفید چادر میں لپٹی ہوئی، عمر اور حالات کے بوجھ تلے دبی ہوئی ایک خاموش سی عورت۔

وہ کچھ نہ بولی۔

بس آہستہ سے اٹھی، چادر کو ذرا سنبھالا، اور تندور کی طرف چل دی، جیسے وہ روباب کی باتوں کو نادانی سمجھ کر نظر انداز کر رہی ہوں۔

کچھ ہی دیر میں جلتے تندور کی گرم گرم روٹیاں سالن کے ساتھ روباب کے سامنے لا کر رکھ دی۔

روٹیوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی...

روباب منہ بنائے، کھانا کھانے لگی آج پھر اسکے چہرے پر شکوہ تھا۔

اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ اس کے اس لہجے سے اس کی ماں کے دل کو پھر ٹھیس پہنچی ہے۔

روباب ابھی کھانا کھا ہی رہی تھی، کہ صحن کی جانب سے چچی کی آواز آئی وہی حکم کا انداز جسے وہ بچپن سے جھیل رہی تھی۔

"روباب! جلدی کرو، میری بہن آرہی ہیں، فوراً چائے بناؤ اور ساتھ کچھ سامان بھی تیار کر دو۔"

روباب نے نوالہ ہاتھ میں ہی روکے رکھا، بھوک ابھی ختم نا ہوئی تھی لیکن انکار کی جرات روباب میں نا تھی اس نے، اماں جان کے چہرے کی طرف دیکھا، وہ حسبِ عادت خاموش تھی۔

روباب نے تھکی ہوئی سانس لی، پلیٹ ایک طرف سرکائی، اور باورچی خانے کی طرف اٹھ کھڑی ہوئی۔

چائے کیتلی میں انڈیلتے ہوئے اسے لگا کہ جیسے وہ چیخنا چاہتی ہو مگر اس کی ماں کی خاموشی نے اسے روک رکھا ہو۔

اس نے چائے کی کیتلی اور گرم گرم پکوڑوں کی پلیٹ ٹرے میں سلیقے سے رکھی۔

اور آہستہ آہستہ قدموں سے باغیچے کی طرف بڑھی، جہاں چچی راحیل اپنی بہن کے ساتھ باتوں میں محو تھی۔

تازہ تلے جانے والے پکوڑوں کی مہک نے پورے ماحول کو خوشگوار بنادیا، روباب نے ٹرے میز پر رکھ دی۔

چائے کی پیالیوں سے اٹھتی بھاپ ابھی فضا میں تحلیل ہی ہو رہی تھی، کہ چچی راحیل کی آواز پھر ابھری، سخت، سپاٹ اور نفرت سے بھری ہوئی۔

"تم جا سکتی ہو اب۔"

روباب نے سر ہلایا، اور خاموشی سے پلٹ آئی۔

آج پھر معمول کے مطابق وہ صحن میں بچھی ہوئی پُرانی سی چارپائی پر لیٹ گئی۔

کھلے آسمان تلے جہاں ستارے جگمگا رہے تھے، روباب ایک ایک کر کے انہیں گننے لگی، شاید اس اُمید میں

کہ کوئی ستارہ اس کے سوالوں کا جواب دے دے۔

وہ خود ہی سے گویا ہوئی، آواز اتنی مدھم کہ صرف وہ خود ہی سن سکتی تھی۔

"اگر آج ابو جان زندہ ہوتے... تو میری زندگی شاید کچھ اور ہوتی۔"

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری، کاش اماں جان اس طرح چچی راحیل کی باتیں نہ سہتیں، کاش وہ مجھے سمجھنے کی کوشش کرتیں، اور کب تک ہم چچا حمید اور چچی راحیل کے یہ رویّے، یہ ناانصافیاں، یہ چھوٹے چھوٹے لیکن گہرے زخم برداشت کرتے رہیں گے؟

مگر ہر بار کی طرح آج پھر اس نے سوچا۔

کہ اس کے والد مرحوم نے پیچھے کچھ بھی ایسا نہیں چھوڑا، جس کے سہارے وہ ان کے ظلم سے نجات پا سکے۔

یہ گھر، یہ چھت، یہ آسرا، سب کچھ چچا جان ہی کے تو سبب تھا۔

اور اسی محتاجی نے اسے اور اس کی اماں جان کو

ان رویوں کو خاموشی سے سہنے پر مجبور کر رکھا تھا۔

ستارے بدستور چمکتے رہے، اور روباب کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

اگلی صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی روباب نے عادت کے مطابق سب کے لیے ناشتہ تیار کرنا شروع کر دیا۔

ہاتھ اپنی روزمرہ کی مشقت میں مصروف تھے، مگر دل ایک چھوٹی سی اُمید کے ساتھ دھڑک رہا تھا، وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی کاش میٹرک میں میرے نمبر اچھے آئیں اور چچا جان میرا کالج میں داخلہ کروا دیں۔

تب اچانک اس کی نگاہ گھڑی پر پڑی "اوہو! میرے تو اسکول کو دیر ہو رہی ہے!"

جلدی سے یونیفارم پہنا، اور بیگ میں ضروری کتابیں رکھنے لگی۔

اسی دوران اماں جان نے فکر بھری آواز میں کہا

"روباب! ناشتہ تو کر کے جاؤ نا بیٹی۔"

روباب نے جلدی میں جواب دیا، "اماں جان! ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے، بہت دیر ہو گئی ہے۔ بہت دیر۔"

اماں جان نے خاموشی سے سر ہلایا، اور فکر مندی سے دعا دینے لگی، گیٹ تک پہنچنے پر روباب کو انکی آواز آرہی کہ وہ روباب سے مخاطب تھی، کینٹین سے کچھ کھالینا۔

روباب نے ایک نظر گھر کی طرف ڈالی، مسکرائی اور پھر اسکول کی طرف دوڑتے قدم بڑھادیے۔

اسکول میں آج معمول سے زیادہ ہلچل اور افراتفری کا ماحول تھا۔

اسمبلی تو مکمل ہو چکی تھی، مگر روباب معمول کے مطابق تھوڑی دیر سے پہنچی اسلیے اسے جرمانہ دینا پڑا۔

کلاس مکمل ہونے کے بعد، ٹیچر نے اہم اطلاع دی:

"اسی ہفتے میٹرک کے امتحان ہونے والے ہیں۔ تمام بچے اپنی تیاری اچھی طرح رکھیں، تاکہ آگے اچھے کالج میں داخلہ لے سکیں۔"

یہ سن کر روباب کا دل جیسے جھوم اٹھا۔

اس کی آنکھوں میں اک روشنی کی لہر اٹھی، اور وہ سوچنے لگی:

"یقیناً، میرے نمبر بہترین آئیں گے۔"

جب وہ گھر لوٹی تو کچن کے کاموں میں مصروف ہو گی، جب شام کو وہ سب کے لیے بریانی بنا رہی تھی، تو خیالات میں ایسی گم ہوئی کہ اسے احساس ہی نہ ہوا کب اس کے ہاتھ سے تیل کی بوتل چھوٹ گئی اور سارا تیل فرش پر بہہ گیا۔

اس سے پہلے وہ فرش صاف کرتی چچی راحیل اچانک باورچی خانے میں آگئی، جب انھوں نے تیل فرش پر گرا دیکھا تو گھر میں ایک بڑا ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

چچی راحیل کے شور سے اماں جان عنایہ اور چچا حمید بھی دوڑتے ہوئے باورچی خانے میں آئے، جیسے کوئی قیامت برپا ہو گی ہو۔

چچی راحیل نے سخت لہجے میں کہا،

"اس لڑکی سے تو کوئی کام ٹھیک نہیں ہوتا! ایک تو یہ ماں بیٹی پالنی پڑ رہی ہیں، اوپر سے نقصان بھی برداشت کرو۔

ناں جانے یہ نیکی کیوں میرے گلے ہی پڑ گئی ہے!"

یہ سب کہتے ہوئے وہ کچن سے چل دی، لیکن ان کے الفاظ اور غصے سے بھرا لہجہ روباب کے دل کو چھلنی کر رہا تھا۔

اماں جان جلدی سے فرش دھونے لگی، روباب اس روز گھنٹوں بس روتی ہی رہی، وہ سوچ رہی تھی کہ آخر کب یہ گھر چھوڑ پائے گی، اور کب وہ چچی راحیل کے سخت الفاظ کی

گرفت سے آزاد ہو جائے گی۔

روباب عنایہ کی طرز زندگی سے اکثر متاثر ہوتی،

وہ سوچتی کہ باپ کی موجودگی میں بیٹیاں کیسے شہزادیوں جیسی زندگی گزارتی ہیں، چچا حمید اس کے ہر خواہش کو پورا کر دیتے تھے، اگر روباب چچا حمید سے اپنی کسی ضرورت کا ذکر کرنا بھی چاہتی، تو چچی راحیل کی سخت نگاہ اسے روک دیتی۔

یوں روباب کی کئی چھوٹی چھوٹی خواہشیں دب کر رہ جاتی۔

وہ بے صبری سے رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی، دل میں امید اور تھوڑے سے خوف کے ساتھ، مہینہ گزر گیا، اور آخر کار روباب کے میٹرک کا نتیجہ آ گیا۔

آج وہ بڑی بیتابی اور خوش دلی سے سکول کے لیے تیار ہوئی۔

جاتے ہوئے وہ اماں جان سے مخاطب ہوئی "اماں جان! دعا کریں کہ میرے نمبر بہت اچھے آئیں... تاکہ چچا جان مجھے اچھے کالج میں داخلہ دلا دیں۔"

آج روباب کے ہاتھ میں میٹرک کا سرٹیفکیٹ آیا۔ جب اس نے اپنا نتیجہ دیکھا تو دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ نمبروں کا ہر ایک عدد اُس کے لیے کامیابی کی مٹھاس لیے ہوا تھا۔ اس کے قدم آج گھر کی طرف بے حد تیز رفتار سے بڑھ رہے تھے، جیسے ہر لمحہ وہ اپنے اماں جان اور چچا حمید کے سامنے یہ خوشخبری سنانے کی بے چینی میں گھل رہی ہو۔

گھر کی دہلیز پر پہنچتے ہی روباب کو ایک عجیب سا احساس ہوا کہ آج گھر میں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں، اس نے دل میں سوچا وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو ڈرائنگ روم میں ایک خوشگوار ہلچل دیکھ کر اُس کا دل خوشی ہو گیا۔ وہاں پھپھو ریحانہ اپنے بیٹے حاشر اور بیٹی نایاب کے ساتھ آئیں تھی۔ روباب کی خوشی کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا، اور وہ فوراً سب کو اپنی کامیابی کی خبر دینے کے لیے آگے بڑھی:

"اماں جان، چچا حمید کو روباب نے بتایا! میں نے میٹرک بہت اچھے نمبروں سے پاس کر لیا!"

یہ سن کر سب نے دل سے روباب کو مبارکباد دی، اور چچا حمید کے چہرے پر بھی فخر کی روشنی جھلکنے لگی۔ فوراًہی چچا حمید نے روباب کی طرف دیکھ کر کہا، "چلو، کمرے میں جاؤ۔"

روباب حیران تھی، اس کے دل میں سوال اٹھا کہ کمرے میں جانے کا مطلب کیا ہے؟ کیوں اس سے یہ کہا گیا، کہ کمرے میں جاؤ، روباب کے دل میں ایک انجانی کشمکش جاگ اٹھی تھی، پھپھو ریحانہ کے جانے کے بعد جیسے ہی اماں جان کمرے میں آئیں، انہوں نے روباب کو وہ بات بتائی جس نے اس کے ہوش اڑا دیے:

"بیٹی روباب پھپھو ریحانہ حاشر کے لیے تمہارا رشتہ مانگنے آئیں تھی، اور چچا حمید نے فوراًہاں کر دی۔ انھوں نے مجھے بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔"

روباب غصے سے بے اختیار بولی، آخر اماں جان! آپ ایسے موقع پر کیوں نہیں بولیں؟

کیا آپ کو بیٹی کے حق کی پرواہ نہیں؟ آپ نہیں جانتیں کہ میں نے ابھی کالج میں داخلہ لینا ہے۔ اماں جان، مجھے اپنے اور آپ کے حالات بدلنے ہیں، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی!

روباب کے الفاظ میں بے چینی، مستقبل کی فکر اور اپنی زندگی پر اختیار کے لیے جدوجہد کی جھلک صاف محسوس ہو رہی تھی۔

روباب بے چینی میں اماں جان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آپ چچا حمید سے بات کریں نا، اماں جان؟ آپ انھیں سمجھائیں ناں... مجھے ابھی شادی نہیں کرنی..."

اماں جان نے روباب کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں خوف، اور ضد ایک ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئیں:

"روباب، تم جانتی ہو نا چچا حمید کے ہم پر کتنے احسانات ہیں۔ تم محض دو برس کی تھیں جب تمہارے والد اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے تھے۔ اس دن سے آج تک، انہوں نے ہمارے سروں پر سائبان بن کر ہمیں سنبھالا ہے۔ ان کے اتنے احسانات کے بعد میں انکار نہیں کر سکتی ہوں؟"

اماں جان قدرِ عاجز ہو کر بولی اور پھر تم ہی گھر تو جاؤ گی پھپھو ریحانہ تمھیں بیٹی بنا کر رکھیں گی اور انھوں نے

یہ کہا ہے کہ وہ تمھاری پڑھائی مکمل کرنے میں مدد کریں گی۔

وہ لمحہ بھر کو رُکیں، جیسے خود بھی کسی کشمکش میں ہوں۔ پھر بولی

"ہاں... میں موقع پا کر بات کرنے کی کوشش ضرور کروں گی۔ مگر تم یہ بھی جانتی ہو، جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر کسی کی مداخلت انہیں گوارا نہیں ہوتی۔"

یہ سن کر روباب کی امید جیسے زمین پر آ گری۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی، اور پھر آنسو اس کی پلکوں کی دہلیز توڑ کر بہنے لگے۔ اماں جان اسے سینے سے لگاتے ہوئے نرمی سے بولیں:

"بیٹی، ہو سکتا ہے اس میں بھی اللہ کی کوئی بہتری ہو۔ میری ان بوڑھی ہڈیوں کا کیا بھروسا، کب تک ساتھ دیں گی۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو پھر تمہارا خیال کون رکھے گا؟ چچی راحیل تو ابھی سے تم پر سختی رکھتی ہیں، تم ویسے بھی ان کی آنکھوں میں چبھتی ہو، میرے اس دنیا سے جانے کے بعد تو تم ان سے اس گھر میں بلکل برداشت نہیں ہو گی۔ اگر تم عزت سے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو میرے دل کو بھی قرار آ جائے گا... میں سکون سے اس دنیا سے رخصت ہو سکوں گی۔"

روباب تڑپ کر اماں جان سے لپٹ گئی۔

"ایسا نہ کہیں، اماں جان... اللہ آپ کو لمبی عمر دے۔ اور میں آپ سے دور کہیں نہیں جا رہی۔"

اس لمحے روباب کے اندر وہی بچپن جاگ اٹھا تھا جو ماں کی آغوش سے کبھی جدائی نہیں چاہتا۔ آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، اور دل میں وہ سارے خواب بکھر رہے تھے جو اس نے پڑھائی مکمل کرنے، کامیابی کے راستے، اپنی ماں کے لیے ایک محفوظ مستقبل بنانے کے لیے دیکھے تھے۔ سب خواب، ریت کی طرح مٹھی سے پھسلتے محسوس ہو رہے تھے۔

روباب نے اماں جان کی گود میں سر رکھ دیا، اور سسکیوں کے درمیان روتے روتے کب اس کی آنکھ لگ گئی، اسے خود بھی خبر نہ ہوئی۔

اگلی صبح جب روباب اٹھی اسکول کی چھٹی تھی، اس لیے وہ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گی، مگر دل کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ ہاتھ کام کر رہے تھے اور دل کل کی باتوں میں اٹکا ہوا تھا۔

چچی راحیل آج کچھ زیادہ ہی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ میں ایک

انجانا سا اطمینان تھا، جیسے کسی بوجھ کے اُتر جانے کا جشن منا رہی ہوں۔ شاید وہ روباب کو بوجھ سمجھنے لگی تھیں جس سے نجات قریب تھی۔ ان کے چہرے کی وہ بے ساختہ خوشی روباب کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو رہی تھی۔

چچی راحیل اپنی خوشی زیادہ دیر چھپا نہ سکیں۔ کام کرتے ہوئے روباب کی طرف دیکھ کر بولیں:

"روباب، اب یہ گھر کے کام چھوڑ دو۔ اسی مہینے تو تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنی بیڈ شیٹ کو کڑھائی کے لیے نکال لو، جو جہیز میں ساتھ دینی ہیں۔"

یہ الفاظ روباب کے کانوں سے ٹکرا کر سیدھے دل میں اُتر گئے۔ اس کے ہاتھوں سے کام چھوٹ گیا، آنکھوں میں آنسو امڈ آئے، اور وہ ضبط نہ کر سکی۔ لب کانپنے لگے، اور آنسو بہتے ہوئے اس کے رخساروں پر بکھر گئے۔

کچھ کہے بغیر، وہ روتی ہوئی اندر کے کمرے کی طرف چلی گی۔

وہ اپنی ماں کو اس گھر میں تنہا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔ یہ خیال ہی اس کے دل کو چیر دینے کے لیے کافی تھا کہ اس کے بعد اماں جان کا سہارا کون بنے گا۔ وہ جس چھت کے نیچے پلی بڑھی تھی، جس آنگن میں اس نے ماں کی دعاؤں کے سائے میں آنکھ کھولی تھی، اسے یوں چھوڑ دینا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

اور حاشر...

اس نام کے ساتھ ہی اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف اُتر آتا۔ نہ اس سے کبھی کوئی بات ہوئی تھی، نہ کوئی شناسائی۔ عمر بھر میں محض دو بار اسے دیکھا تھا، وہ بھی اجنبی نظروں سے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیسا انسان ہے؟ اس کا مزاج کیسا ہے؟

روباب یہ سوچ کر بھی پریشان ہو رہی تھی، کہ جن لوگوں سے اس کا واسطہ پڑنے والا ہے، ان کے دلوں میں اس کے لیے کیا جگہ ہو گی بھی یا نہیں، کیا وہاں بھی وہ بوجھ سمجھی جائے گی؟ یا عزت، محبت اور تحفظ کے نام پر اسے صرف دھتکار ہی نصیب ہو گی؟

یہ سب سوالات اس کے دل میں کانٹوں کی طرح چبھ رہے تھے، اور ہر لمحہ اسے اس فیصلے کے بوجھ تلے مزید دبا رہے تھے، ایک ایسا فیصلہ جس میں اس کی مرضی کہیں شامل نہ تھی، مگر جس کے نتائج پوری زندگی پر محیط ہونے والے تھے۔

اسی رات، جب روباب گہری نیند سو رہی تھی، کسی مدھم سی سسکی نے اسے خواب سے بیدار کیا۔ وہ چونک کر جاگی۔ بستر سے لحاف سرکایا، آنکھیں ملتے ہوئے اطراف پر نگاہ دوڑائی تو چارپائی کے پاس بچھی جانماز پر اماں جان کو سجدے میں پایا، وہ تہجد کی نماز پڑھ رہی تھی...

وہ نماز جسے روباب نے ہوش سنبھالتے ہی اپنی ماں کے ساتھ جڑا ہوا پایا تھا۔ اسے یاد تھا، جب سے اس نے آنکھ کھولی، رات کے آخری پہر اماں جان کو اللہ کے حضور جھکے دیکھا۔ گڑگڑاتے دیکھا، آج بھی اماں جان کے آنسو سجدے کی مٹی میں جذب ہو رہے تھے۔ روباب نے ان کے دھیمے سے الفاظ سنے۔

وہ اللہ سے دعا کر رہی تھی "اے اللہ... میری بیٹی کے نصیب اچھے کر۔

اسے ایک نیک، نرم دل ہم سفر عطا فرما۔

اس کے دل کو اپنی یاد سے منور کر دے، اس کے قلب کو اپنے ذکر کا مسکن بنا دے۔

اے ربّ کریم... اسے اپنی پسندیدہ بندیوں میں شامل فرما، اور اس کی آنے والی زندگی کو خیر اور آسانی سے بھر دے۔

روباب ہمیشہ یہی سوچتی تھی کہ آخر، اماں جان اللہ سے اتنی دیر کیا باتیں کرتی رہتی ہیں؟

دن کی نمازوں میں بھی دعا کی جا سکتی ہے...

وہ نہیں جانتی تھی کہ رات کو گرم بستر چھوڑ کر، ربّ کے در پر حاضری دینے والوں کا مقام کیا ہوتا ہے۔

وہ یہ نہیں سمجھتی تھی کہ تہجد میں آنسوؤں کی زبان میں کی جانے والی وہ دعا ہے تقدیروں کے ورق بدل دیتی ہے، اور ماں کی دعا تو عرش تک جا پہنچتی ہے۔

اپنے لیے اپنی ماں کے لبوں سے اللہ کے حضور یہ دعائیں ان کر اس کی آنکھیں نم ہو گی تھی۔

اگلے روز شام ڈھلتے ہوئے موسم میں ایک خوشگوار سی لطافت تھی۔ ہوا میں خنکی تھی، اور آسمان پر بکھرے بادل شام کی خاموشی کو مزید گہرا کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں چچی راحیل نے روباب کو آواز دی

عنایہ کے لیے چائے بنا دو، اور وہیں باغیچے میں دے آؤ۔

روباب خاموشی سے چائے کی پیالی اٹھائے باغیچے کی طرف بڑھ گئی۔ عنایہ کرسی پر نیم دراز بیٹھی تھی، ہاتھ

میں موبائل اور چہرے پر بناوٹی برتری کی جھلک۔ جیسے ہی روباب نے قریب جا کر پیالی آگے بڑھائی، عنایہ نے تیور بدلتے ہوئے، طنزیہ انداز میں کہا:

"ہاں بھئی روباب، سنا ہے تمہاری شادی ہو رہی ہے؟ مطلب یہ کہ تمہارا پڑھائی کا خواب تو اب خاک میں مل ہی گیا ہو گا۔"

روباب کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ اطمینان سے دھیمے لہجے میں بولی:

"میں اپنے اللہ کی رضا پر راضی ہوں۔"

یہ جملہ عنایہ کے لیے غیر متوقع تھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی، اور لب بھینچ گئے۔ روباب نے خاموشی سے چائے اس کے پاس رکھے اسٹول پر رکھی، اور بنا کوئی اور بات کیے، نگاہیں جھکائے واپس پلٹ آئی۔

اپنے کمرے کی طرف جہاں اماں جان اس کی شادی کے کپڑے سلائی کر رہی تھی۔

اماں جان نے روباب سے کہا کہ الماری میں سے لیس نکال کر دے دو۔

روباب نے اکھڑے سے انداز میں الماری کھولی، لیس نکالی اور آ کر اماں جان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اماں جان نے اسکی آنکھوں میں سمٹے بوجھ کو فوراً بھانپ لیا۔ نرمی کے باوجود ان کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی جھلکنے لگی۔

"کیا بات ہے روباب؟ چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟"

روباب نے عائشہ کے ساتھ باغیچے میں ہونے والی گفتگو اماں جان کو بتا دی۔

یہ سن کر اماں جان کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ شفقت سے بولیں:

"کوئی بات نہیں بیٹا۔ ان باتوں کو درگزر کر دیا کرو۔ لوگوں کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو ہونا ہوتا ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔"

"تم اپنے دل صاف رکھو، یہی تمہاری اصل طاقت ہے۔"

روباب نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

اس لمحے اسے محسوس ہوا کہ اماں جان کے یہ چند لفظ اس کے دل پر رکھے ہوئے بوجھ کو کچھ ہلکا کر گئے ہیں۔

روباب کو خبر ہی نہ ہوئی کہ کب تیاریوں کے یہ دن لمحوں میں سمٹ گئے اور وہ ساعت آن پہنچی جب اس کا نکاح حاشر کے ساتھ ہونا تھا۔ دل کے اندر ایک انجانی سی لرزش تھی، ایسی بے نام گھبراہٹ جس میں امید بھی تھی اور خوف بھی۔ مستقبل اس کے سامنے ایک دھندلی راہ کی مانند تھا، جس کے ہر موڑ پر سوالات تھے۔

وہ اپنی آنے والی زندگی کے تصور سے گریزاں بھی تھی اور متجسس بھی؛ حاشر کے بارے میں اس کے ذہن میں ان گنت خیال، ان کہے وسوسے اور خاموش اندیشے جنم لے رہے تھے۔

نکاح نہایت سادگی سے ہوا، ماں سے بچھڑنے کا خیال، خاص طور پر انھیں چچا حمید اور چچی راحیل کے سہارے چھوڑ کر جانا، اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ مگر اس کے پاس کوئی راستہ نہ تھا، کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ ماں کو اپنے ساتھ لے جاسکتی۔

جلد ہی رخصتی ہو گی اور وہ حاشر کے گھر آ پہنچی۔ دہلیز پار کرتے ہوئے اس کے دل میں بس ایک ہی دعا تھی ، کہ وہ ایک باوقار، متوازن اور مثالی زندگی گزار سکے۔ اس نے لرزتے دل کے ساتھ اللہ کے حضور ہاتھ اٹھائے، اپنی آنے والی زندگی کی بہتری، سکون اور خوشیوں کی التجا کرتے ہوئے، خود کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

حاشر کے گھر روباب کی پہلی صبح جب پھوپھو جان نے اسے محبت اور اپنائیت سے پاس بٹھایا۔ شفقت بھری باتوں میں انہوں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ حاشر اس کے لیے ایک بہترین ہم سفر ثابت ہو گا، اور یہ گھر اس کے لیے سکون والا ہو گا۔

حاشر کی بہن نایاب روباب کے آنے پر بے حد خوش تھی۔ اس کی آنکھوں میں سچی محبت جھلک رہی تھی۔

اس نے روباب سے پوچھا "بھابی، ناشتہ کریں گی؟"

رباب نے جھجکتے ہوئے مسکرا کر کہا، "جی نایاب... لیکن کیا میں خود بنادوں؟"

نایاب ہنس پڑی۔ "آج آپ کا پہلا دن ہے، آج کام کی اجازت نہیں۔ چند دن گزر جائیں، پھر آپ اس گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لیجیے گا۔"

یہ سب دیکھ کر روباب کے دل میں ایک اطمینان سا اتر آیا۔ حاشر اگرچہ مزاجاً کچھ کم گو اور فاصلے پر رہنے والا تھا، مگر دن گزرتے گئے تو ہر نیا دن روباب کے لیے پچھلے دن سے بہتر ثابت ہونے لگا۔ شادی کے ابتدائی

ایام میں پھوپھو جان اس کی ہر بات کا خاص خیال رکھتیں۔ پھوپھو ریحانہ کی نظر میں روباب صرف بہو نہیں تھی، بلکہ ان کے بڑے بھائی کی اکلوتی اولاد بھی تھی۔

یوں روباب کے دن خوشگواری سے گزرنے لگے، مگر دل کے کسی کونے میں ماں کی یاد مسلسل اسے بے چین رکھتی۔ عائشہ اور پھوپھو ریحانہ کا رویہ بظاہر نرم اور مہربان تھا، لیکن جب بھی روباب اماں جان سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتی، ان کے چہروں پر ایک انجانی سی ناگواری ابھر آتی۔ روباب اس تبدیلی پر حیران رہ جاتی، آخر ماں سے ملنے میں کیسی قباحت؟

بڑی مشکل سے ایک دن اس نے پھوپھو ریحانہ سے اجازت مانگی۔ ادھر اماں جان کی فون کال بھی آگئی تھی، جن کی آواز میں بیٹی کی جدائی صاف جھلک رہی تھی۔ روباب کا دل بھر آیا۔ اجازت ملنے پر جب وہ حاشر کے ساتھ اماں جان سے ملنے چچا حمید اور چچی راحیل کے گھر پہنچی، چچی راحیل اور چچا حمید نے اسے اسکی توقعات سے کہیں زیادہ اچھا استقبال کیا، انھوں نے اچھی مہمان نوازی بھی کی، ان کی گفتگو میں حیرت انگیز نرمی تھیں۔ اماں جان پہلے سے کہیں زیادہ کمزور لگ رہی تھیں، روباب نے نرمی سے اماں جان کا ہاتھ تھام کر پوچھا،

"اماں جان... کیا چچی راحیل اور چچا حمید کا رویہ آپ کے ساتھ بہتر ہے؟ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟"

اماں جان نے حسبِ عادت صبر کو مسکراہٹ میں لپیٹ لیا۔ آواز میں عاجزی تھی اور لہجے میں وہی ماں والی بے نیازی۔

"بیٹا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔ اپنے گھر کو وقت دو، اپنے شوہر اور اپنی ساس کو خوش رکھو۔ اپنی زندگی سنوارو... میری فکر چھوڑ دو۔ اللہ پاک تمہارے نصیب اچھے کرے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے روباب کے سر پر ہاتھ رکھا، جیسے اپنی ساری دعائیں ایک لمس میں منتقل کر رہی ہوں۔

کچھ گھنٹے باتوں میں گزر گئے، یادوں کا تذکرہ ہوا، حال پر بھی بات ہوئی۔ پھر روباب اور حاشر نے کھانا کھایا، اور وہ واپس اپنے گھر کو لوٹ آئے۔

مگر روباب کا دل اماں جان کیلئے اور بھی بے قرار ہو گیا۔

اماں جان سے ملاقات کے بعد جب روباب اپنے گھر لوٹی تو اس کے لہجے میں اک انجانی سی اداسی گھلی ہوئی تھی۔ وہ اداسی جو الفاظ میں نہیں سماتی ہے مگر آواز کے اتار چڑھاؤ میں صاف جھلکنے لگتی ہے۔ حاشر نے یہ تبدیلی

فوراً محسوس کر لی۔ اس نے نرمی سے روباب کی طرف دیکھا اور پوچھ لیا،

"روباب... تم کچھ اداس لگ رہی ہو، سب خیریت تو ہے؟"

روباب نے ایک لمحے کو نگاہیں چرائیں، پھر لبوں پر ایک جھوٹی سی مسکراہٹ سجا کر کہنے لگی،

"نہیں، میں اداس نہیں ہوں۔"

مگر حاشر کے اصرار پر اس نے کہا "ہم بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں حاشر... جب ہماری شادیاں ہو جاتی ہیں تو ہم اگلے گھر آ کر بھی لمحہ لمحہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتی رہتی ہیں، ہم بظاہر اگلے گھر کی ہو جاتی ہیں، مگر ہمارا دل وہیں رہ جاتا ہے... اپنے ماں باپ کے پاس، ان کی مجبوریوں، اور ان کی تنہائیوں کے ساتھ جڑا ہوا۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

حاشر نے اسے تسلی دی۔

حاشر نے روباب سے کہا جو دل ماں باپ کا قدر دان ہو وہ اللہ کے بھی قریب ہوتا ہے۔

موسمِ سرما کی بارشوں نے شہر کے ہر کونے پر خاموشی کا پردہ تان رکھا تھا۔ فضا میں خنکی تھی، ہواؤں میں نمی، اور دل میں ادھوری باتوں کی اک ان کہی مہک تیر رہی تھی۔

کمرے میں نیم اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ روباب بے چینی سے کھڑکی کا پردہ سرکاتی، پھر دروازے کی سمت دیکھتی۔ گھر کے سب افراد نیند کی آغوش میں تھے، مگر روباب کو انتظار نے جگا رکھا تھا۔

وقت رینگتے رینگتے گیارہ بجا چکا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دستک جو سکوت کے تالاب میں پھینکے گئے کنکر کی مانند تھی، جس کی گونج نے پورے ماحول کو ہلا دیا۔

روباب چونک اٹھی۔

"کون؟"

اس کی آواز میں حیرت بھی تھی اور خوشی کی ہلکی سی لرزش بھی۔

"دروازہ کھولو... میں ہوں، حاشر۔"

وہ آواز روباب کے لیے پوری رات کے اندھیرے میں روشنی کا چراغ تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ

بکھر گئی۔ وہ لپک کر دروازے کی طرف بڑھی، جیسے انتظار کے سارے لمحے اسی ایک قدم کے لیے تھے۔

روباب نے دروازہ کھولا

اس کے سامنے حاشر کھڑا تھا، بارش کے قطروں میں بھیگا ہوا، چہرے پر وہی مانوس مسکراہٹ، اور آنکھوں میں وہی محبت لیے، جو روباب کے جینے کی وجہ تھی۔

روباب نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا،

روباب "السلام علیکم۔"

حاشر "وعلیکم السلام۔"

حاشر کی آواز میں وہی مانوس اپنائیت تھی، جو ہر جدائی کے بعد دل کو قرار بخش دیتی ہے۔

حاشر لاہور سے قریب ایک ماہ بعد آج گھر لوٹا تھا۔ کام کے سلسلے میں اس کا جانا ہوا تھا، یہ سفر وقت میں طویل اور دل پر بھاری ثابت ہوا۔

حاشر "کیا حال ہے میری اہلیہ کا

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"الحمدللہ، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

روباب نے جواب دیا۔

حاشر گھر میں داخل ہوا تو بارش کے قطرے اس کی جیکٹ سے ٹپک رہے تھے۔

حاشر۔۔۔۔ امی جان اور میری بہن نایاب ٹھیک ہیں ناں؟"

روباب "جی ہاں، سب ٹھیک ہیں۔ بس امی جان کی طبیعت کچھ ناگوار تھی، میں نے دوا دے دی ہے، صبح تک بہتر ہو جائیں گی۔"

حاشر "ان شاءاللہ، اللہ شفا دے گا۔"

حاشر نے کہا اور آہستہ قدموں سے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کسی کو نیند سے بیدار کرنا نہیں چاہتا تھا۔

روباب نے صحن کا دروازہ بند کرتے ہوئے ایک لمحے کو آسمان کی طرف دیکھا۔ بارش تھم چکی تھی، مگر دل کے اندر شکر کی بوندیں برسنے لگیں۔ حاشر کی آمد پر اس کے لب بے آواز دعا میں ہل رہے تھے۔

روباب نے حاشر سے پوچھا" آپ کھانا کھائیں گے ؟"

حاشر نے بیگ ایک طرف رکھتے ہوئے مختصر سا جواب دیا،" میں کھانا کھا چکا ہوں... اب بس آرام کروں گا۔"

اس کی آواز میں سفر کی تھکن نمایاں تھی، مگر لہجے میں ایک انجانی سی الجھن بھی چھپی ہوئی تھی۔ روباب نے کچھ کہنا چاہا، مگر الفاظ جیسے لبوں تک آ کر رک گئے ہوں۔

کمرے میں گھڑی کی ٹِک ٹِک کی مدھم آواز گونجنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں حاشر گہری نیند سو گیا۔

روباب وہیں بیٹھی خود کو اُداس اور الجھا ہوا محسوس کرنے لگی۔ حالانکہ چند لمحے پہلے تک وہ اس کی آمد پر بے حد خوش تھی، مگر اب ایک نامعلوم سی اداسی اسے گھیرنے لگی تھی۔ وہ اپنے آپ میں ڈوبتی چلی گئی۔

آنکھوں کے سامنے یادوں کی ایک قطار ابھر آئی، وہ لمحے، وہ احساسات، جن سے زندگی کا دوسرا باب شروع ہوا تھا۔

آج اس کے دل میں ایک انجان سا خلا تھا، ایسا خلا جس میں خوشی کے بیچ کوئی سوال جنم لے رہا ہو... وہ سوال جو لفظوں میں ڈھلنے سے انکاری تھا۔

رات گہری ہوتی چلی گئی، اور روباب اپنے دل کے اندھیروں میں کسی روشنی کی تلاش میں جاگتی رہی۔

جب روباب پر ہلکی ہلکی نیند کا غلبہ ہونے لگا تو وہ دبے قدموں بستر کے قریب آئی۔ چادر اوڑھی اور لبوں کو دعا میں جنبش دی۔ یہ کوئی عام دعا نہ تھی، ایسی دعا تھی جس نے آنکھوں کو نم کر دیا۔ شاید اس لمحے وہ خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی، یا شاید دل کے آسمان پر بادلوں کی کوئی گرہ تھی جو بے نام سا خوف بن کر اسے پکار رہی تھی۔

وہ سمٹ کر بستر پر لیٹ گئی۔ پلکیں رفتہ رفتہ بوجھل ہوئیں اور وہ نیند کی ایک غیر فطری سی آغوش میں چلی گئی۔

اچانک اس کی دنیا بدلنے لگی۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ٹانگیں بے جان ہو چکی ہوں، جیسے چلنے کی قوت سلب ہو گئی ہے۔ فضا میں ایک عجیب سا سناٹا تھا، بھاری، گہرا اور خوفناک۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی، مگر چاروں اطراف

اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

اسے اندھیرے کا وجود محسوس ہوا... اور وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

"کیا... کیا مجھے صرف ایک مہلت مل سکتی ہے؟"

رباب نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں مزید کچھ کہنا چاہا، مگر الفاظ اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئے۔

اچانک ہر طرف ایسی خاموشی چھا گئی، جیسے کسی فیصلے پر مہر ثبت ہو چکی ہو۔ وہ سمجھ گئی کہ چند لمحوں کی مہلت بھی اس کی دسترس میں نہیں رہی۔ اس کے وجود پر سرد کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ دل کسی نامعلوم کیفیت میں ڈوبنے لگا اور دماغ ایک بے رحم حساب کتاب میں الجھ گیا، وہ لمحے، وہ ساعتیں جو غفلت میں گزر چکی تھیں سب نظروں کے سامنے آنے لگی۔

اور پھر...

اس کی آنکھ کھل گئی۔

خواب ٹوٹ چکا تھا۔ وہ نیند سے بیدار ہو چکی تھی۔ مگر خواب کے اثرات ابھی تک اس کی سانسوں میں اترے ہوئے تھے۔

اسی لمحے فضا میں مؤذن کی آواز بلند ہوئی:

"اللہ اکبر... اللہ اکبر..."

روباب کی زبان پر بے اختیار شکر کا کلمہ جاری ہو گیا۔

"الحمدللہ... الحمدللہ... میں زندہ ہوں۔ الحمدللہ... ابھی مہلت باقی ہے۔"

وہ جلدی سے اُٹھی، وضو کیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے پانی کا ہر قطرہ اس کی غفلتوں اور نادانیوں کو دھو رہا ہو۔ اس نے مصلیٰ بچھایا اور نمازِ فجر ادا کی۔

سجدے میں اس کی ہچکیاں بندھ گئیں، یہ آنسو خوف کے نہیں تھے، یہ آنسو شکر کے تھے...

مہلت مل جانے کے، اک اور موقع مل جانے کے۔

پھوپھو ریحانہ نے روباب کو آواز دی، روباب چائے اور پکوان باغیچے میں لیکر جاؤ، روباب باغیچے کی طرف بڑھی اور چائے نایاب کے سامنے رکھی میز پر آہستگی سے رکھ دی۔ نایاب سر جھکائے، ڈائری کے اوراق پر لفظوں کے موتی پرو رہی تھی۔ آنکھوں میں نمی تھی اور قلم میں روانی، وہ ایک خوبصورت سا کالم لکھ رہی تھی جو، شاید کسی دل کی دھڑکن بننے والا تھا۔

اسی لمحے پھوپھو ریحانہ کی آواز ابھری۔

آواز میں حیرت انگیز سی تلخی تھی، جو کسی بے نام نفرت کا احساس دلا رہی تھی۔

وہ روباب کو رات کے کھانا بنانے کا کہہ رہی تھی مگر لہجہ اتنا سرد کہ روباب کو یوں محسوس ہوا جیسے باہر پھیلا ہوا خوبصورت موسم اس کے لیے نہیں ہے۔

اس کے قدم وہیں تھم گئے، ایک لمحے کو دل میں سرد لہر سی اتر گئی۔

مگر روباب نے کچھ کہا نہیں۔ خاموشی سے پلٹی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ اس نے دوبارہ چولہا جلایا، دیگچی رکھی، اور رات کے سالن کی تیاری میں خود کو مصروف کر لیا۔

مگر یہ سوال اس کے ذہن میں آ رہا تھا...

کہ پھوپھو ریحانہ، جو اب تک اس سے پیار سے بات کرتی آ رہی تھیں، جو اتنے ارمانوں سے اسے بیاہ کر لائی تھیں، آج ان کا لہجہ اچانک کیوں بدل گیا؟

کیا اس سے کوئی خطا سرزد ہو گئی تھی؟

یا یہ صرف وہ پہلا لمحہ تھا، جب حقیقت نے آہستہ سے پردہ سرکایا تھا؟

روباب نے خود کو دلاسہ دینے کے لیے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔

شام کے ڈھلتے سائے جب آسمان کو اداسی کے مدھم رنگوں میں ڈھالنے لگے تو حاشر گھر لوٹا۔ حسبِ معمول روباب دروازے تک آئی، مگر آج اس کے چہرے پر سجی مسکراہٹ میں ایک ہلکی سی پژمردگی تھی، ایسی جو آنکھوں سے چھپ نہیں پاتی۔ حاشر کی نظر پڑی تو وہ ایک لمحے کو ٹھہر گیا۔

"روباب... سب خیریت ہے نا؟"

اس نے نرمی سے پوچھا۔

روباب نے عادتاً ہلکی سی مسکراہٹ اوڑھ لی۔

"کچھ نہیں...بس ذرا طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

مگر رات کے کھانے کے بعد حاشر نے پھر جاننا چاہا۔ وہ اس خاموش اداسی کو نظر انداز نہ کر سکا تھا۔ اس نے دوبارہ روباب سے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھی۔ اس بار روباب نے بتایا۔

"حاشر..."

"آج آپ کی والدہ نے مجھ سے بہت سخت لہجے میں بات کی۔ میں سمجھ ہی نہیں پائی کہ آخر ان کے لہجے میں اتنی نفرت کیوں تھی؟ کس بات پر انہیں مجھ سے اتنی ناگواری ہوئی؟"

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ شکوہ نہیں کر رہی تھی، بس اپنے دل کا بوجھ لفظوں میں اتار رہی تھی۔

حاشر نے روباب کو تسلی دیتے ہوئے نرمی سے کہا،

"تم دل پر مت لو۔ وہ عمر میں بڑی ہیں، کبھی کبھار غصہ ہو جاتی ہے۔"

روباب نے ہاں میں سر ہلا دیا، اسی رات جب وہ ڈائری لکھنے میں مصروف تھی تو نہ جانے کیوں قلم اچانک رک سا گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ ڈائری کے اوراق پلٹنے شروع کیے، جیسے آج پھر اسے ماضی کی ان گلیوں میں لوٹ جانا ہو جہاں یادیں روشنی کم اور اندھیرا زیادہ رکھتی تھیں۔

وہ لمحے...

جن میں تلخیاں بسی ہوئی تھیں۔

وہ لمحہ جب اس کے والد اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، اور اس کے ساتھ ہی بچپن کے سائے بھی سمٹ گئے تھے۔

ماں کا وہ صبر جو صرف روباب نے دیکھا تھا۔

آج انہی لمحوں کی بازگشت ان اوراق میں موجود تھی۔

ماں کا وہ چہرہ، جو ویرانی سے بھرا ہوا تھا۔

والد کے انتقال کے بعد چچا حمید اور چچی راحیل کے رویّے، جنہوں نے رباب کی والدہ کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے انہیں اور گہرا کر دیا تھا۔

رباب کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

ڈائری بند ہو گئی، مگر یادیں بند نہ ہو سکیں۔

کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ دھندلے نہیں ہوتے، بلکہ اور نمایاں ہوتے ہیں۔

سوچوں کے بھنور میں ڈوبی رباب کو حاشر نے مخاطب کیا، رباب نے آہستگی سے جواب دیا، "جی حاشر، حاشر نے فکر مندی سے کہا سو جاؤ صبح نماز کے لیے اٹھنا ہے۔

رباب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ڈائری بند کر دی۔

اس کا دل پھر اک نئی صبح کو خوش آمدید کہنے کے جذبے سے لبریز تھا۔ اگلی صبح، وہ امید بھری آنکھوں کے ساتھ اٹھی، فجر کی نماز ادا کی اور قرآن پاک تلاوت کی۔ تلاوت مکمل ہوتے ہی وہ خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی، اور معمول کی طرح کاموں میں مصروف ہو گی۔

سب سے پہلے، اس نے ہمیشہ کی طرح پھوپھو ریحانہ کے لیے ناشتہ تیار کیا، اور ٹرے میں سجایا، پھر وہ پھوپھو ریحانہ کے کمرے کی طرف گئی۔

وہ نیم دراز تھیں، رباب کو ان کی آواز میں کمزوری محسوس ہوئی، وہ رباب سے مخاطب ہوئی "رباب... آج میری طبیعت ٹھیک نہیں، فجر کی نماز بھی ادا نہ کر سکی۔"

رباب فوراً آگے بڑھی، ان کے ماتھے پر نرم ہاتھ رکھا، اور محسوس کیا تو اسے معلوم ہوا پھوپھو ریحانہ تو بخار میں تپ رہیں تھی۔ اس نے خلوص کے ساتھ انہیں سہارا دیا اور بٹھا دیا۔ وہ رباب کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ رباب کے چہرے پر اپنے لیے فکر مندی کی جھلک دیکھ کر، شاید وہ اپنے رویے پر غور کر رہی تھیں۔

رباب نے انھیں ناشتہ کرایا، دوا دی، اور پھر کچن کی طرف لپکی تا کہ حاشر کے لیے ناشتہ تیار کرے۔ اس دن، رباب نے سارا وقت پھپھو ریحانہ کی تیمارداری میں گزار دیا۔ اس کی خاموش خدمت میں خلوص کی مہک تھی، جو پھوپھو ریحانہ محسوس کر سکتی تھیں۔

اگلی صبح جب پھوپھو ریحانہ نے آنکھ کھولی تو وہ خود کو بہتر محسوس کر رہی تھیں۔ یہ خدمت کا جذبہ، روباب کو والدہ سے ملنے والا قیمتی تحفہ تھا۔ اس نے اپنی والدہ سے خدمت، خلوص اور صبر ورثے میں پایا تھا۔ انکی تربیت نے روباب کو صبر اور محبت میں مہارت عطا کی تھی۔

اس روز کے بعد پھوپھو ریحانہ کا رویہ تھوڑا بہتر ہونے لگا۔ ان کے لہجے کی تلخی میں ہلکی سی کمی آئی تھی، ان کے سرد رویے کی وجہ شاید روباب اور حاشر کے بے پنا محبت تھی۔

اس لیے ان کا مزاج موسم کی طرح بدلتا رہتا، کبھی وہ روباب پر مہربان ہو جاتی اور کبھی اپنے تلخ رویے سے اس کے نازک دل کا استحصال کرتی،

روباب ان کے رویے کی معمولی بہتری کی وجہ سے بھی اطمینان محسوس کرتی تھی، لیکن ساتھ ہی، ایک عجیب سی خلش اس کے دل میں باقی رھتی۔ روباب کو یوں محسوس ہوتا کہ اس کے اندر کوئی ایسا خلا ہے جسے دنیا کی آسانیاں، مادی خوشیاں یا کسی بھی محسوس شدہ سکون سے پر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خلا اتنا نرم اور چھپا ہوا تھا کہ اکثر روباب کو بے چینی کا سامنا کرنا پڑتا۔

وہ یہ جانتی تھی کہ یہ خلش صرف دنیاوی چیزوں سے مٹانے والی نہیں، بلکہ شاید روح کی گہرائی میں چھپی ایک تلاش تھی، ایک ایسی تلاش جو اسے مکمل اور پر سکون کر سکے، لیکن وہ ابھی اپنی منزل تک پہنچ نہیں پائی تھی۔

ایک شام، روباب باغیچے کے نیم سایہ دار گوشے میں بیٹھی تھی۔ سامنے چائے کی پیالی سے اٹھتی بھاپ، ساتھ حاشر کی موجودگی... مگر اس سب کے باوجود فضا میں اک انجانی سی اداسی تیر رہی تھی۔ دل بے وجہ ہی کسی ان دیکھے اندیشے سے گھبرا رہا تھا، جیسے خاموشی کے پردے میں کوئی آنے والی آفت سانس لے رہی ہو۔

اسی لمحے روباب کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اسکرین پر چچا حمید کا نام جگمگا اٹھا۔ کال سنتے ہی ان کی آواز میں لرزتی ہوئی گھبراہٹ اور دبے دبے خوف نے روباب کے دل کو دہلا دیا۔

"روباب... تمہاری امّاں جان کی طبیعت بہت نازک ہے۔ کمزوری نے جسم کو نڈھال کر دیا ہے، انہوں نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی، مگر وہ کچھ کھانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتیں..."

یہ الفاظ ابھی ان کی زبان پر ہی تھے کہ روباب کے ہاتھوں سے موبائل پھسل کر زمین پر جا گرا۔ روباب کا چہرہ یک دم زرد پڑ گیا، دل بے قابو ہو کر دھڑکنے لگا۔ حاشر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"روباب، چچا حمید کیا کہہ رہے تھے؟"

حاشر کے سوال نے جیسے روباب کے ضبط کو توڑ دیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رندھی ہوئی آواز میں بس اتنا ہی کہہ سکی،

"چچا کہہ رہے تھے... اماں جان کی طبیعت بہت نازک ہے..."

حاشر نے فوراً پھوپھو ریحانہ کو بتایا ان کے دل میں اس لمحے ایک نرم سی لہر اٹھی۔ انہوں نے حاشر کی طرف دیکھا اور غیر متوقع لہجے میں کہا،

"بیٹا، حاشر! روباب کو فوراً اس کی اماں جان کے پاس لے جاؤ۔ اس وقت انہیں روباب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔"

یہ الفاظ روباب کے لیے حیرت کا باعث تھے۔ پھوپھو ریحانہ جو کبھی اتنی آسانی سے اسے اماں جان سے ملنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں، آج خود اسے روانہ کر رہی تھیں۔ مگر اس لمحے حیرت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ روباب کے ذہن میں بس ایک ہی نام گونج رہا تھا، اماں جان۔

جلد ہی وہ حاشر کے ساتھ اماں جان کے گھر پہنچ گئی۔ دروازہ کھلا تو مانوس سی خوشبو نے استقبال کیا، مگر فضا میں ایک بوجھل خاموشی بسی ہوئی تھی۔ اندر قدم رکھتے ہی نظر کونے میں پڑے بستر پر پڑی... جہاں اماں جان نیم بے ہوشی کے عالم میں تھیں۔ چہرے پر کمزوری کے گہرے سائے، ہاتھوں میں لرزش... روباب کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

وہ چچی راحیل کی طرف مڑ کر بے اختیار بولی،

"چچی... اماں جان کی یہ حالت ہو گئی تھی، آپ لوگوں نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

روباب بستر کے کنارے بیٹھتے ہی سسکیاں لینے لگی۔ اماں جان نے کمزور ہاتھوں سے بیٹی کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔ روباب نے فوراً ان کا لرزتا ہوا ہاتھ اپنی ہتھیلیوں میں سمیٹ لیا، جیسے اسے چھوڑ دینے سے سب کچھ چھن جائے گا۔

روباب "آپ ٹھیک ہو جائیں گی اماں جان..."

روباب کی آواز میں امید بھی تھی اور اک انجانا سا خوف بھی۔

اماں جان نے بڑی مشکل سے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ سجانے کی کوشش کی، مگر کمزوری نے ساتھ نہ دیا۔

روباب اماں جان کے چہرے پژمردگی کی جھلک دیکھ کر مسلسل روئے جا رہی تھی۔ دل جیسے کسی ان دیکھی گرفت میں تھا۔ لرزتے ہوئے لہجے میں اس نے چچی راحیل سے پوچھا،

"چچی... آپ اماں جان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھیں نا؟"

یہ سوال سنتے ہی چچی راحیل گویا آگ بگولہ ہو گئیں۔ سرد لہجے میں بولیں،

"بی بی! ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں کہ اسپتالوں کے چکر لگاتے پھریں۔ پھر اس عمر میں ایسی کیفیت کوئی انہونی بات نہیں ہوتی۔"

روباب خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ ان کے لہجے کی سختی نے کمرے کی فضا کو مزید بوجھل کر دیا۔ حاشر کے چہرے پر بھی ناگواری کی ایک پرچھائیں سی ابھری، مگر وہ خاموش رہا۔ روباب کے دل میں ایک تلخ خیال ابھرا، کچھ انسان نازک ترین لمحوں میں بھی اپنے سنگدل ہونے کا احساس ضرور دلاتے ہیں۔

اس کی نگاہ پھر اماں جان کے چہرے پر جا ٹھہری۔ وہ چہرہ جو کبھی روشنی کا گہوارہ ہوا کرتا تھا، آج وقت کی گرد میں ماند پڑ چکا تھا۔ روباب کے لبوں سے اک آہ بے ساختہ نکل گئی،

"کاش... میں اماں جان کی یہ تکلیف اپنے حصے میں لے سکتی..."

"کیا کہا تم نے، روباب؟"

حاشر نے چونک کر پوچھا۔

روباب "کچھ نہیں..."

روباب نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

حاشر "میں ابھی ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔"

حاشر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

روباب نے فکر مندی سے اس کی طرف دیکھا،

"جلدی آیئے گا، حاشر..."

وہ آہستہ سے دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

روباب فوراً کچن کی طرف لپکی۔ اماں جان کے لیے سوپ تیار کیا۔ جب پیالہ ہاتھ میں لیے وہ واپس آئی تو انہیں سہارا دے کر بٹھانے کی کوشش کی، مگر اماں جان کا جسم گویا بے جان ہو چکا تھا، جیسے اس میں حرکت کی سکت ہی باقی نہ رہی ہو۔ روباب نے تکیہ درست کیا اور نرمی سے اماں جان کو سوپ پلانے کی کوشش کی، مگر اماں جان چند گھونٹ بھی نہ لے سکیں۔

روباب نے محسوس کیا کہ کمزوری نے انکے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، وہ کروٹ بدلنے سے بھی قاصر تھی۔

روباب اماں جان کی بے بسی دیکھ کر خود کو کمزور محسوس کر رہی تھی اسی لمحے دروازے پر آہٹ ہوئی...

حاشر ایک ڈاکٹر کو ساتھ لے کر گھر پہنچ چکا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے اماں جان کا معائنہ کیا۔ کچھ دیر خاموش رہے، جیسے الفاظ چن رہے ہوں، پھر آہستہ سے بولے، "یہ انتہائی درجے کی کمزوری کا شکار ہو چکی ہیں۔ اب علاج کے قابل نہیں رہیں۔ جسم تو بس ہڈیوں کا اک ڈھانچہ بن کر رہ گیا ہے۔ اللہ ہی ان پر رحم فرمائے۔"

روباب کے لیے وہ لمحہ جیسے ٹھہر سا گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا گویا زمین اس کے قدموں کے نیچے سے سرک رہی ہو، یا شاید وہ خود زمین میں دھنس رہی ہو۔ حاشر نے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا، تسلی دینے کی کوشش کی، مگر روباب کی دنیا تو جیسے بجھنے لگی تھی۔

ڈاکٹر نے روباب کی طرف دیکھ کر نرمی سے کہا،

"بیٹا، ان کو کچھ کھلانے کی کوشش ضرور کریں۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد روباب خاموش بیٹھ گئی۔ وہ صدمے میں تھی یا سن ہو چکی تھی، اسے خود بھی خبر نہ تھی۔ کئی دن وہ اماں جان کی تیمارداری میں لگی رہی، دل میں درد تھا مگر امید ابھی زندہ تھی۔

ایک روز وہ اماں جان کے لیے سوپ بنا رہی تھی۔ دل کسی ان دیکھے خدشے میں الجھا ہوا تھا۔ سوپ تیار کر کے وہ کمرے میں آئی اور بڑے پیار سے اماں جان کو پلانے لگی۔ اس بار اماں جان نے کچھ گھونٹ آرام سے پی

لیے۔ روباب نے ان کے چہرے پر اک ہلکی سی مسکراہٹ ابھرتی دیکھی۔

پھر اماں جان نے دھیرے سے کہا،

"بیٹی... تم پر اللہ کا رنگ ہو..."

یہ الفاظ سنتے ہی روباب چونک اٹھی۔ اتنے دنوں میں پہلی بار اس نے اماں جان کی آواز سنی تھی۔ وہ لپک کر ان کے ماتھے پر جھک گئی اور محبت سے بوسہ دیا۔ روباب کے دل میں اک امید جاگ اٹھی، جیسے اب سب کچھ ٹھیک ہونے والا ہو۔

مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

اسی شام جب حاشر، پھوپھو ریحانہ کے ساتھ اماں جان کی عیادت کے لیے آیا تو روباب کے چہرے پر خوشی کی ایک مدھم سی چمک تھی۔

حاشر نے پوچھا، "اماں جان کی طبیعت کیسی ہے؟"

روباب نے آہستہ سے کہا، "الحمدللہ، حاشر... آج وہ ذرا بہتر تھیں۔ آپ یقین کریں گے؟ انہوں نے آج مجھ سے بات کی تھی۔"

حاشر تجسس سے بولا، "اچھا؟ کیا کہا انہوں نے اپنی بیٹی سے؟"

روباب کے چہرے پر شکر سے بھری ہوئی ایک نرم مسکراہٹ پھیل گئی،

روباب "انہوں نے کہا... 'تم پر اللہ کا رنگ ہو۔'"

حاشر مسکرا اٹھا،

"یہ تو بہت خوبصورت دعا ہے، روباب..."

حاشر اور پھوپھو ریحانہ خاصی دیر تک اماں جان کے سرہانے بیٹھے رہے۔ خاموشی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو روباب انہیں دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی کہ اچانک چچی راحیل کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری،

"روباب...!"

آواز میں ایسی دہشت تھی کہ روباب کے ساتھ حاشر اور پھوپھو ریحانہ بھی بھاگتے ہوئے کمرے کی طرف لپکے۔ مگر منظر بدل چکا تھا۔ امّاں جان کی سانسیں تیز ہو چکی تھیں۔ ہر سانس بھاری، بے ترتیب اور ٹوٹی ہوئی... جیسے زندگی آخری بار خود کو تھامنے کی کوشش کر رہی ہو۔

روباب لپک کر آگے بڑھی اور امّاں جان کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے، دل مسلسل دہائی دے رہا تھا۔ پھر...

بس ایک ہی لمحہ...

صرف ایک لمحہ...

اور اس کی امّاں جان دنیا اور دنیا والوں سے جدا ہو گئیں۔

آخری سانس کی ڈور ٹوٹ چکی تھی۔ وہ سانس، جو چند لمحے پہلے بوجھ لگ رہی تھی، اب ہمیشہ کے لیے تھم گئی تھی۔

روباب کو یوں محسوس ہوا جیسے زمین اپنی تمام وسعتوں سمیت اس پر تنگ ہو گئی ہو۔ چچی راحیل کی روتی ہوئی آوازیں ابھریں، وہ امّاں جان کے انتقال کی خبر عزیزوں کو دے رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں رشتے دار، اور محلے کی عورتیں جمع ہونے لگیں۔ کفن اور تدفین کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

ان سب کے درمیان روباب ایک پتھر کے مجسمے کی طرح بیٹھی تھی۔ اس کی آواز اور آنسو اب ایک ہی درد میں ڈھل چکے تھے۔ اس سانحے کے بھاری بوجھ تلے وہ یہ بھی شدت سے محسوس کر رہی تھی کہ انسانی رویّوں کا کیسا عجیب تماشا اس کے سامنے آ رہا ہے۔

وہ چہرے، جو امّاں جان کے آخری اور کٹھن دنوں میں ان کے قریب آنے سے کتراتے رہے، آج ان کے فراق میں نوحہ کناں تھے۔ وہ اہلِ خانہ، جن پر امّاں جان نے ساری عمر شفقت اور مہربانی نچھاور کی تھی، آج ان کی آخری رخصتی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

چچی راحیل نے اپنے گھر کا سب سے نرم اور عمدہ بستر نکال کر امّاں جان کی میّت پر ڈال دیا، جیسے چند لمحوں کی یہ مہربانی ماضی کی بے حسی کا ازالہ کر دے گی۔

روباب گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

میّت کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس پر کتنا نرم بستر بچھایا گیا؟

میّت کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون اس کے لیے آنسو بہا رہا ہے؟

فرق تو زندہ انسان کو پڑتا ہے...

جس کی سانسیں چل رہی ہوں۔

جس کی زندگی میں قدر کی جائے،

بیماری میں عیادت،

مشکل میں مدد،

غم میں دادرسی کی جائے۔

مرنے والوں سے محبت کے دعوے تو بے وقت ہوا کرتے ہیں۔ اگر ان کی زندگی میں انہیں انسان کا درجہ نہ دیا جائے، تو بعد میں کہے گئے تمام لفظ اپنی معنویت کھو دیتے ہیں۔

جلد ہی وہ تکلیف دہ لمحہ بھی آ پہنچا جب روباب کی آنکھوں کے سامنے اس کی امّاں جان کی میّت اٹھا کر لے جائی گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے پوری کائنات اس کے غم میں نوحہ کناں ہو۔ فضا بوجھل تھی، ہوا سوگوار، اور دل ایسا جیسے کسی نے اندر سے سب کچھ نوچ لیا ہو۔

کفن و تدفین کے بعد، جب لوگ قبرستان سے واپس لوٹ آئے، روباب حاشر کے ساتھ امّاں جان کی قبر پر جا پہنچی۔ قبر کی مٹی ابھی نم تھی۔ روباب نے کانپتے ہاتھوں سے وہ مٹی چھوئی تو دل کے اندر ایک درد بھری صدا گونج اٹھی۔ وہ بے اختیار زار و قطار رونے لگی۔ اس نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی، جیسے کسی ان دیکھے دروازے پر دستک دے رہی ہو۔

سورج ڈھلنے کو تھا۔ شام کی اداسی میں سردیوں کی خنک ہوائیں بدن میں سرسراتی ہوئیں کپکپی طاری کر رہی تھیں۔ ویران قبرستان... جہاں مٹی کا ہر ذرّہ فنا کی گواہی دے رہا تھا۔ روباب کے دل پر غم کے بادل مزید سیاہ ہوتے جا رہے تھے۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں وہ گہرا دکھ ٹھہرا ہوا تھا جو لفظوں میں قید نہیں ہوا کرتا۔

پرندوں کی خاموش پرواز کے ساتھ روباب کے لب لرزنے لگے۔ آنسو جیسے الفاظ میں ڈھلنے لگے۔

وہ دل ہی دل میں خود سے ہم کلام تھی:

اے کاش اماں جان... اے کاش میں بھی آپ کے ساتھ اس دنیا کی قید سے آزاد ہو جاتی...

اس کے دل میں اس دنیا کے عارضی ہونے کا احساس گہرا ہوتا چلا گیا۔ مگر روباب نہیں جانتی تھی کہ یہی خیال، یہی درد، اس کی زندگی کی سب سے بڑی تبدیلی کی بنیاد بننے والا ہے۔

اس سرد اور لرزتی شام میں، اماں جان کی قبر کی گیلی مٹی کو چھوتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی، انسان نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔ وہی اماں جان جو چند دن پہلے گرم بستر اور رضائی میں تھیں، آج مٹی کی گہرائیوں میں سو رہی تھیں۔

روباب نے بڑی مشکل سے اپنی ٹوٹی ہوئی ذات کے بکھرے ٹکڑوں کو سمیٹا اور حاشر کے ساتھ واپس چچا حمید کے گھر لوٹ آئی۔ وہ کمرہ جہاں اس نے اماں جان کی تیمارداری میں کئی دن گزارے تھے، آج ویرانی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ وہی چارپائی، جس پر اماں جان کو آخری بار لیٹا دیکھا تھا، اب گویا اس کے دل پر خنجر چلا رہی تھی۔

گھر میں اک عجیب سی دہشت بسی ہوئی تھی۔ اس سے وہ فضا برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے حاشر سے دھیرے سے درخواست کی،

"مجھے اپنے گھر لے چلو... یہاں مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

یہ وہی گھر تھا جہاں سے کچھ دیر پہلے اس نے اپنی ماں کو رخصت ہوتے دیکھا تھا، ان کی میّت کو اٹھتے دیکھا تھا۔

اور یوں، وہ حاشر کے ساتھ خاموشی سے اپنے گھر لوٹ آئی...

دل میں ایک ایسا خلا لیے، جو شاید کبھی پُر نہ ہو سکے۔

وہ اماں جان کا دکھ لیے اپنے گھر تو لوٹ آئی تھی، مگر غم اس کی روح میں اتر چکا تھا۔ اماں جان کے جانے سے نہ گھڑی کی سوئیاں رکی تھیں، نہ دن اور رات کے اوقات میں کوئی تبدیلی آئی تھی، نہ دنیا کے معمولات پر کوئی فرق پڑا تھا۔ اگر کسی کی زندگی میں واقعی کوئی کمی ہوئی تھی، تو وہ صرف روباب تھی، جس سے ایک مہربان ماں چھن گئی تھی۔

وہ ماں، جن کے چہرے کو دیکھ لینے کے بعد زندگی کی ساری تلخیاں ماند پڑ جایا کرتی تھیں۔ جن کی آواز میں ایک ایسا سکون تھا جو دکھوں کو بے وزن کر دیتا تھا۔ اب جب حاشر اسے اداس اور غم میں گھرا دیکھ کر تسلی دینے

کی کوشش کرتا، تو رو باب ٹوٹے ہوئے دل سے بس یہی کہہ پاتی،

"کاش میں بھی ان کے ساتھ مٹی اوڑھ لیتی... تاکہ ان کے جانے کا دکھ نہ جھیلنا پڑتا..."

وقت کے ساتھ ساتھ، آہستہ آہستہ، جدائی کے زخموں کی تپش کچھ کم ہونے لگی۔ ایک روز وہ گھر کے باغیچے میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ سردیوں کی ڈھلتی ہوئی شام یوں پھیل رہی تھی، جیسے وقت خود اپنی تھکن کسی کو سونپ رہا ہو۔ رو باب خاموشی سے پرندوں کو اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے دیکھ رہی تھی۔

دل میں ایک نرم سا خیال اُترا،

کیسے یہ پرندے اپنے اپنے آشیانوں میں پناہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔

کاش ہم جیسے تھکے ہارے انسانوں کے لیے بھی کوئی ایسی پناہ گاہ ہو...

جہاں ہم دنیا کی تھکن، دکھ اور بوجھ اتار سکیں۔

انہی خیالوں میں وہ گم تھی کہ اچانک مغرب کی اذان گونج اٹھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے بھی ایک پر سکون گھونسلے کی طرف بلا لیا ہو، ایسی جگہ، جہاں دل کا بوجھ ہلکا کیا جا سکتا ہو۔

اس کے سینے میں ایک روشن خیال ابھرا:

ہمارے پاس بھی تو ایک آشیانہ ہے...

جہاں ہم دنیا کے غم اور تھکن کم کر سکتے ہیں۔

وہ اٹھی، وضو کیا اور مغرب کی نماز ادا کی۔ سجدے میں جاتے ہی دل میں ایک عجیب سا اطمینان اُتر آیا، ایسا اطمینان، جس کی اسے کئی دنوں سے تلاش تھی۔ ایک سکون، جو بے چینی کے طویل سفر کے بعد، آخر کار اسے مل گیا تھا۔

رفتہ رفتہ رو باب کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ حاشر کے رویّے میں کوئی نمایاں سی تبدیلی آ رہی ہے۔ اس کے لہجے میں وہ اپنائیت نہ تھی، ان کے درمیان فاصلے بڑھ رہے تھے مگر رو باب انھیں نظر انداز کر رہی تھی۔

ایک شام وہ کھانے کی تیاری میں مصروف تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جلدی سے ہاتھ دھوئے اور جا کر دروازہ کھول دیا۔

سامنے حاشر کھڑا تھا۔

اور اس کے ساتھ... ایک سرخ جوڑے میں ملبوس، سجی سنوری ایک خوبصورت لڑکی، چچا حمید کی بیٹی عنایہ تھی۔

یہ تو عنایہ تھی،

رباب کی آنکھوں کے سامنے جیسے منظر ٹھہر گیا۔ حاشر اندر داخل ہوا اور عنایہ کا ہاتھ تھام کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ رباب خاموش کھڑی یہ سب دیکھتی رہی، اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی، حاشر نے پر جوش لہجے میں خود ہی کہا،

"رباب... میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔"

یہ الفاظ رباب کے وجود پر کسی کاری ضرب کی طرح لگے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس زمین پر کروڑوں انسانوں کی موجودگی کے باوجود وہ آج مکمل طور پر تنہا ہو گئی ہو۔ وہ وہیں ایک مجسمے کی طرح کھڑی رہ گئی، اور حاشر عنایہ کو لے کر اندر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد جب اسے کچھ ہوش آیا تو اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا اور اندر آئی۔ کچن میں چولہے پر رکھا سالن جل چکا تھا۔ پھوپھو ریحانہ کی بلند آواز ابھری،

"چولہا بند کیوں نہیں کیا تھا؟"

رباب خاموشی سے کچن میں گئی، چولہا بند کیا، اور دل ہی دل میں یہ سوچتی رہی کہ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے، وہ دعا کر رہی تھی کہ کاش یہ محض ایک خواب ہو، جس سے وہ ابھی جاگ جائے۔

مگر یہ خواب نہیں تھا۔

جب وہ باہر آئی تو عنایہ پھوپھو ریحانہ کے پہلو میں بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھی۔ تب رباب پر یہ تلخ حقیقت منکشف ہوئی کہ پھوپھو ریحانہ کی رضامندی سے ہی حاشر نے یہ دوسرا نکاح کیا تھا۔

لرزتی ہوئی آواز میں رباب نے پوچھا،

"حاشر... آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

حاشر کے لہجے میں سختی اور تلخی تھی۔

"یہ میری زندگی ہے، رباب۔ اور دین مجھے دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے۔"

روباب کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا صبر دم توڑنے کو تھا، مگر اس نے حاشر کے ساتھ گزارے ہوئے ان قیمتی لمحوں کا بھرم رکھتے ہوئے دل پر پتھر رکھ لیا۔

اس رات روباب روتی رہی۔ آنسوؤں کے ساتھ رات گزر گئی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ حاشر اسے بتائے بغیر، اتنا بڑا فیصلہ کر سکتا ہے۔

وہ خود سے سوال کرتی رہی،

کیا ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی ناچاکی تھی؟

کوئی ایسا جھگڑا، کوئی ایسی شکایت؟

اور اگر حاشر کو نکاح کرنا ہی تھا تو کم از کم مجھ سے ذکر تو کرتا...

آخر ایسی کیا وجہ تھی

کہ حاشر نے دوسری شادی کر لی؟

یہ حقیقت اسے اندر سے توڑ رہی تھی کہ حاشر کی دوسری بیوی کوئی اور نہیں، بلکہ چچا حمید کی بیٹی عنایہ تھی۔

یہ انکشاف روباب کے لیے دوہری اذیت کا سبب بن گیا۔ وہ لوگ جو اس کے بچپن ہی سے اس کے لیے تکلیف کا باعث رہے تھے، آج ازدواجی زندگی میں بھی اس کے لیے زخم بن کر آن کھڑے ہوئے تھے۔

اسے یوں لگا جیسے ماضی کے سارے دکھ ایک بار پھر نئے نام اور نئے رشتے کے ساتھ اس کی زندگی میں داخل ہو گئے ہوں،

اور روباب، جو پہلے ہی ٹوٹی ہوئی تھی، اب خود کو سنبھالنے کی آخری کوشش بھی کھوتی جا رہی تھی۔

اماں جان کے جانے کے بعد حاشر ہی روباب کی امید کا مرکز تھا،،، وہ واحد چہرہ جو اسے واقعی تسلی دے سکتا تھا، مگر اب وہ بھی بدل چکا تھا۔ آج روباب کو یوں لگا جیسے ہر در اس پر بند ہو چکا ہو؛ نہ چچا حمید کے گھر میں کوئی پناہ گاہ تھی، نہ حاشر کے دل میں کوئی جگہ باقی رہی تھی۔ حاشر اور پھوپھو ریحانہ اتنی اجنبیت کا مظاہرہ کر رہے تھے گویا روباب کو جانتے ہی نہیں۔ روباب اپنے آپ کو اس گھر میں ہر گزرتے دن کے ساتھ ایک ملازمہ کی طرح محسوس کرنے لگی۔ دل میں یہ سوال اٹھا کہ اسلام تو دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے، مگر مساوات کا بھی حکم دیتا

ہے، اور حاشر بالکل بھی انصاف اور مساوات کا مظاہرہ نہیں کر رہا تھا۔

روباب نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ عنایہ اتنی دلیری سے اس کی زندگی میں اسکے اور حاشر کے درمیان آڑ بن جائے گی۔

روباب کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ حاشر ایک اچھا انسان ہے، اور یہی سوچ اسے صبر کے دامن سے نہ چھوڑنے پر آمادہ کرتی رہی۔ اس نے دل میں ٹھان لیا کہ وہ اس رشتے کو نبھانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی اور خاموشی کے ساتھ وقت گزارے گی۔

ایک شام حاشر نے روباب سے کہا،

"میں نے اپنے ایک دوست کو کل کھانے پر بلایا ہے۔ اس کی شادی میں نہیں جا سکا تھا، تو سوچا دعوت پر بلا لوں۔"

روباب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،

"ٹھیک ہے، آپ بلا لیں، میں کھانا تیار کر لوں گی۔"

اگلے روز روباب مہمانوں کے لیے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی، مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ آج کی شام اس کی زندگی میں ایک نیا موڑ لے کر آئے گی۔

حاشر کا دوست اپنی اہلیہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔ روباب نے اس کی اہلیہ کا دل سے استقبال کیا، اور پھر دستر خوان کی جانب بڑھی تاکہ اگر کوئی کمی ہو تو اسے پورا کیا جا سکے، انابیہ نے دھیمی آواز میں کہا "کیا میں کچھ مدد کر سکتی ہوں؟"

انابیہ حاشر کی دوست کی اہلیہ جس سے ابھی چند لمحے پہلے روباب کی ملاقات ہوئی تھی۔

روباب نے انابیہ کا شکریہ ادا کیا اور نرمی سے معذرت کی۔ روباب کی نگاہیں خود بخود انابیہ کے حلیے کی طرف متوجہ ہو رہی تھی وہ حلیہ جو ہر مسلمان عورت کے وقار کا آئینہ ہوا کرتا ہے۔ چند لمحوں کی گفتگو میں روباب کو یہ جاننے کا موقع ملا کہ انابیہ ایک عالمہ ہے۔

انابیہ کے چہرے پر چھایا ہوا سکون اور نورانیت روباب کے دل پر ایک گہرا اثر چھوڑ گئی۔ وہ بے ساختہ اس روشنی میں کھو گئی اور دل ہی دل میں رشتہ قائم کرنے لگی۔ جلد ہی سب نے کھانا کھا لیا۔ حاشر اور اس کا دوست پھوپھو ریحانہ سے پرانے قصے سننے میں مصروف ہو گئے۔

روباب نے انابیہ کے اسرار پر اسے چائے بنانے کی اجازت دی۔ روباب کی نگاہیں انابیہ پر مرکوز تھیں، اور دل میں ایک بے نام تجسس اُبھرا۔ بے اختیار روباب نے کہا،

"یہ جو سکون آپ کے چہرے پر چھایا ہوا ہے... کیا یہ آپ کے قلب کا آئینہ دار ہے؟"

انابیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، "جی ہاں، میرا دل بھی اسی سکون سے مزین ہے۔"

روباب کی آنکھوں میں حیرت جھلک رہی تھی۔ اُس نے نرمی سے پوچھا، "کیا میں وجہ جان سکتی ہوں؟"

انابیہ نے عاجزانہ انداز میں کہا،

"جو وجود اللہ کے رنگ میں رنگ جائے، اسے دنیا کی ہنگامہ خیزی اور شورش زیادہ بے چین نہیں کر سکتے۔"

روباب کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھ کر انابیہ نے مخلصانہ انداز میں کہا،

"اگر آپ بھی وہ رنگ اختیار کر لیں جو 'صبغتُہ اللہ' کہلاتا ہے، تو زندگی آپ پر مہربان ہو جائے گی۔"

روباب نے تجسس میں پوچھا، "یہ صبغتہ اللہ کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟"

انابیہ نے روباب کی جانب مکمل توجہ کے ساتھ نگاہ ڈالی اور کہا،

صبغتہ۔۔۔ اللہ کا رنگ ہے، وہ رنگ جو تمام رنگوں سے بہتر ہے۔ جس میں رنگ جانے والا دنیا کی تمام نمود و نمائش سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کا رنگ تمام مذاہب اور رنگوں سے ممتاز ہے۔"

روباب نے کہا، "لیکن میں تو الحمدللہ مسلمان ہوں۔"

انابیہ مسکرائیں اور کہنے لگیں،

"ایک مسلمان کے لیے تو اللہ کے رنگ میں رنگنا زیادہ آسان ہے۔ ایک مومن یا مومنہ حکمت کے فیصلے کرتے ہیں اور اللہ کی عطا کو اپنے اوپر لازم کر کے دنیا کے رسم و رواج سے آزاد ہو جاتے ہیں۔"

اتنے میں حاشر نے آواز دی، "اگر چائے بن گئی ہو تو لے آئیں!"

روباب نے جلدی سے چائے چینک میں ڈالی اور سب کو پیش کی۔ تھوڑی دیر بعد، انابیہ اپنے سفر کی سمت میں روانہ ہو گئیں، مگر ان کی موجودگی اور باتوں کی روشنی روباب کے دل میں ایک کشمکش اور بے قراری چھوڑ گئی تھی، ایک ایسا احساس جو اسے اپنی اندرونی دنیا کے نئے گوشوں میں لے گیا۔

انابیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو نے روباب کے دل پر گہرے نقوش چھوڑے تھے۔ روباب اسے کے حلیے، اس کے انداز گفتگو اور تحمل مزاجی سے بے حد متاثر ہوئی تھی، اس کے دل میں ایک نیا احساس جاگا، اک ایسا جذبہ جو پہلے کبھی اس نے محسوس نہیں کیا تھا۔ روباب کشمکش کی کیفیت میں اٹھی وضو کیا اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نمازِ عشاء ادا کی۔ دل میں دعا کے ساتھ اسے یہ احساس ہوا کہ آج تک وہ ہمیشہ اللہ کے حضور صرف تکالیف، شکایات اور محرومیوں کے ساتھ آئی تھی، ہر بار وہ اللہ کے حضور لوگوں کے رویوں کی روداد سنانے حاضر ہوئی تھی لیکن آج پہلی بار اسے ایسا لگا کہ وہ اپنی تمام تر نعمتوں کے لیے شکر ادا کرنے کے لیے اللہ کے روبرو کھڑی ہے۔

یہ احساس اس کے دل میں اس طرح چھا گیا کہ وہ خاموشی کے پردے میں چھپی اپنی خوشیوں اور نعمتوں کے لیے آنکھوں میں نمی لیے رونے لگی۔ شاید اللہ کی قربت کی طلب اس کے دل میں جنم لینے لگی تھی۔

اتنے میں اسے کے کمرے میں نایاب، حاشر کی بہن، کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش اور نرمی دونوں جھلک رہی تھی۔ اس نے روباب سے مخاطب ہو کر کہا،

"روباب بھابی، سب ٹھیک ہے نا؟"

اس نے روباب کو روتے ہوئے دیکھ کر کہا

روباب نے دھیمے لہجے میں، آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا،

"نایاب، میں اللہ کے قریب ہونا چاہتی ہوں۔"

پھر اس نے تفصیل سے انابیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو بیان کیا۔ روباب کی باتوں میں ایک عاجزی، ایک سچائی اور ایک روحانی طلب جھلک رہی تھی۔

نایاب، جو خود بھی ایک مصنفہ اور حساس دل کی مالک تھی، روباب کی باتیں سن کر مسکراتے ہوئے بولی،

"یہ تو سب رنگوں سے بہترین رنگ ہے، بھابھی! بتائیں، میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

اس کی آواز میں نرمی اور خلوص جھلک رہا تھا۔

روباب نے نایاب کی طرف دیکھ کر کہا،

"مجھے کوئی ایسا راستہ بتاؤ کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی اپنے اللہ سے دور نہ ہو سکوں۔"

روباب اپنی چادر کو سر پر لپیٹتے ہوئے زمین پر بیٹھی اور کچھ لمحوں کے لیے خاموش رہی۔ پھر نایاب نے آسان الفاظ میں کہا،

"یہ بہت آسان ہے، بھابھی۔ آپ یہ سوچیں کہ اللہ ہماری شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہمارے ارادے، ہر خیال اور ہر تکلیف سے باخبر ہے۔"

یہ بات روباب کے دل کو چھو گئی۔ اس نے کہا "عائشہ، کیا تم جانتی ہو، اللہ نے مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ اور میں نادان خود کو تنہا سمجھتی رہی، وہ نعمتیں اور برکتیں جو اللہ مجھے دے چکا ہے، ان کو میں نے نظر انداز کیا اور شکر ادا نہیں کیا۔"

روباب عائشہ کے پاس بیٹھی اور دھیمی آواز میں بولی،

"یہ تو ہم سب انسانوں کی فطرت ہے کہ ہم اس کی عطا کردہ نعمتوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور اس کے فضل سے لاپرواہ رہتے ہیں۔ پھر ایک روز، سب رشتے، جیسے دھاگوں کی طرح، بکھرنے لگتے ہیں، اور آہستہ آہستہ سایہ بھی ساتھ چھوڑنے لگتا ہے۔ تب آنکھوں پر پڑے پردے ہٹنے لگتے ہیں اور ہمیں یہ حقیقت سمجھ آتی ہے کہ ہمارا کل اثاثہ تو صرف اللہ ہے۔"

نایاب کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ روباب کو محسوس ہوا جیسے اس نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دیا ہو، لیکن ساتھ ہی دل میں ایک امید کی کرن بھی جاگی۔ وہ جان گئی تھی کہ ہر لمحہ، ہر خوشی، ہر دکھ، اور ہر نعمت، سب اللہ کی طرف سے ہے۔۔۔

اگلی صبح، جب روباب سب کیلئے ناشتہ بنانے میں مصروف تھی، کہ حاشر کے کمرے سے جھگڑے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھوپھو ریحانہ اور نایاب فوراً اٹھیں اور حاشر کے کمرے کی جانب بھاگی، روباب دروازے میں ہی کھڑی رہی، چہرے پر حیرت اور اضطراب کے اثرات کے ساتھ، اور اس نے دیکھا کہ حاشر اور نایاب کے درمیان سخت تلخ کلامی جاری تھی۔

بات محض یہ تھی کہ حاشر، جو روباب جیسی اطاعت گزار ہمسفر کا عادی تھا، عنایہ کا خود پر مسلط ہونا برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس تضاد نے حاشر کو سخت چڑچڑا کر دیا تھا۔

پھوپھو ریحانہ نے بڑی محبت اور نصیحتوں کے ساتھ معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی، مگر حاشر اپنی ضد پر

قائم رہا اور ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکل گیا۔

شاید اب حاشر عنایہ سے بیزار آ چکا تھا، عنایہ کی بے ادبی اور بے صبری رشتے کو بوجھ میں بدل رہی تھی۔

حاشر کو روباب سے دور کرتے کرتے عنایہ نے اپنے اور حاشر کے درمیان خود ہی غلط فہمیوں کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

اس روز روباب کا دل بھر آیا۔ وہ عنایہ کے برے سلوک کے باوجود بھی ان دونوں کے درمیان ناچاکی سے خوش نا تھی، پورا دن وہ اندر ہی اندر کڑتی رہی، مگر اندر ہی اندر اسے یہ خیال بھی ستاتا تھا کہ آخر حاشر کو اس سے کیا شکایت تھی؟ کہ اس نے دوسری شادی اور وہ عنایہ سے کی؟

اس طرح اور بھی سوال اس کے دل میں دھڑک رہے تھے، ہر جواب جیسے ہوا میں تحلیل ہو جاتا تھا۔ روباب کے دل میں اضطراب اور مایوسی کی لہر دوڑ رہی تھی، اور وہ بے بسی کے احساس میں دن بھر اپنے اندر ہی گم رہی۔

اداسی اور خاموشی لیے۔۔۔

یہ دکھ روباب کے لیے کوئی عام دکھ نہیں تھا۔ یہ ایک ایسا زخم تھا جو روز بروز گہرا ہوتا جا رہا تھا، وہ دل کی تہہ میں ایک ناسور کی طرح جگہ بنا رہا تھا۔ روباب خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے دکھ اور سکھ بانٹنے والے ہم سفر سے اتنا دور ہو چکی تھی کہ گویا وہ دونوں اب ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن گئے تھے۔

عنایہ ہر موقع سے فائدہ اٹھاتی، روباب کی کمزوری اور جذباتی کیفیت کو اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے استعمال کرتی۔ اس کی ہر بات، ہر حرکت روباب کے دل میں ایک نیا درد بھر دیتی۔

مگر روباب، اپنے صبر اور برداشت کی قوت سے، دن گزارتی رہی۔ اس نے اپنے اندر خاموشی سے ایک حوصلے کی روشنی پیدا کی، اور دل میں اپنے اللہ کی طرف رجوع کے سوا کوئی سہارا نہ پایا۔ اس کی خاموش جدوجہد اور صبر، نہ صرف اس کے دکھ کو کم کر رہی تھی بلکہ اس کے دل کو اندر سے مضبوط کر رہی تھی۔۔۔

عنایہ کی سازشیں اسکے صبر کے سامنے ماند پڑ جاتی تھی۔

ایک دن، پڑوس کی ایک خاتون میٹھائی لے کر آئی۔ وہ خاتون حاشر کی والدہ کے ساتھ باتوں میں مصروف

تھی،روباب اسکے لئے چائے بنا کر لائی،روباب نے لاشعوری طور پر اس سے مٹھائی لانے کی وجہ پوچھی،تو خاتون نے بتایا،

"میری بیٹی نے قرآن ختم کیا ہے۔"

روباب نے مسکرا کر اسے مبارکباد دی۔خاتون نے مزید بتایا،"میری بیٹی اب تفسیر کا کورس کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

روباب نے تجسس سے فوراًسوال کیا،

"تفسیر کا کورس کیسا ہوتا ہے؟"

خاتون نے پیار اور نرمی کے ساتھ وضاحت کی،

"تفسیر کا کورس قرآن کی آیات کی تشریح،مفہوم،پس منظر اور حکمت کو سمجھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔اس میں آیات کو لغت،سیاق وسباق،شانِ نزول،حدیث اور فقہ کی روشنی میں سمجھایا جاتا ہے تاکہ انسان نہ صرف قرآن کے پیغام کو دل سے سمجھے بلکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرے۔"

روباب کے دل میں ایک نئی خواہش جاگی۔وہ بغیر توقف کے بولی،

"کیا میں بھی یہ کورس کر سکتی ہوں؟"

خاتون نے مسکرا کر جواب دیا،

"جی ہاں،آپ بھی کر سکتی ہیں۔"

روباب نے مدرسے کا پتہ معلوم کیا،شام کو جب حاشر گھر لوٹا،تو روباب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا،

"میں تفسیر کا کورس کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کی آواز میں نہ سوال تھا،نہ تذبذب،بس ایک عزم کی شدت تھی۔حاشر نے روباب کی آنکھوں میں جھانکا،جیسے وہ اس روشنی اور جذبے کو محسوس کر رہا ہو۔حاشر نے اس شرط کے ساتھ اسے مدرسے جانے کی اجازت دی کہ وہ گھر والوں کو کوئی شکایت کا موقع نہ دے اور اپنے گھر کے افراد اور اپنی زمہ داریوں کو اپنی ترجیحات میں شامل رکھے۔

اگلی صبح رباب مدرسے پہنچی۔ در و دیوار سے پہلی ملاقات ہی کچھ ایسی تھی کہ اس کا دل گویا کہہ رہا تھا، "یہی وہ جگہ ہے جس کی اسے تلاش تھی۔"

مدرسے کے کمرے نور سے بھرے تھے، قرآن کی محقق دیواریں علم کی عظمت سکھا رہی تھیں، اذان کی بازگشت ہوا میں گھل رہی تھی، اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی طالبات ہر منظر میں عجیب سی ہم آہنگی پیدا کر رہی تھیں۔

رباب نے کاؤنٹر سے کورس کی تفصیلات حاصل کیں۔ وہاں موجود صبا باجی جن کی نرمی اور علم کے چرچے تھے، انھوں نے بتایا کہ چند دن بعد تفصیل کا کورس شروع ہونے والا ہے۔

رباب نے داخلے کا فارم بھرا اور ایک روشن امید کے ساتھ گھر واپس لوٹ آئی۔ اس کے دل میں ایک نئی روشنی جاگی تھی، ایک نیا عزم پیدا ہوا تھا، اور روح میں ایک امنگ کی لہر دوڑ گئی تھی کہ اب وہ اپنے اللہ کے قریب علم کی راہ پر گامزن ہونے والی تھی۔

جب رباب گھر پہنچی، تو دیکھا کہ نایاب باغیچے میں بیٹھی، پھولوں کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی، اور خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ رباب اس کے قریب گئی اور پر جوش انداز میں بتایا،

"میں تفسیر کا کورس کرنے والی ہوں۔"

نایاب کی آنکھوں میں حیرت سی اتر آئی اس نے سوال کیا،

"کیا آپ کو وقت مل جائے گا؟"

رباب نے مسکرا کر جواب دیا،

"وقت خود بخود نہیں ملتا، بلکہ وقت ہمیں نکالنا پڑتا ہے۔ یہ دنیا ہمیں اپنی مصروفیات میں الجھا دیتی ہے، اور ہم اپنی آخرت کے لیے کچھ جمع نہیں کر پاتے۔"

اس کی نگاہیں آسمان کی جانب اٹھیں اور یقین سے کہا،

"اللہ سبحانہ وتعالی میری مدد ضرور کرے گا۔"

پھر وہ تو نیک نیتوں کا محافظ بن جایا کرتا ہے۔

نایاب نے بھی دل سے دعا کی،

اللہ کریم آپ کو استقامت دے اور آپ کے علم کو دوسروں کے لیے ہدایت کا سامان بنائے۔"

اس روز روباب بہت خوش تھی۔ شام کا وقت وہ باغیچے میں ٹہلتے ہوئے گزار رہی تھی اسے اپنے دل میں ایک عجیب سا سکون محسوس ہو رہا تھا، جیسے شام کے دھندلے سائے بھی اس کے ساتھ اس کے خیالوں میں گھوم رہے ہوں۔ دل میں ایک طمانیت تھی اور ساتھ ہی آنے والے دنوں کی خوشگوار امید بھی۔

قرآن کا ساتھ مل جانے کی امید اور مدرسے کا تصور اسکی روح کو شاد کر رہا تھی۔ یہ خوشی اتنی عجیب تھی کہ کبھی اسے عمدہ لباس اور زیورات کی چمک سے بھی حاصل نہ ہوئی تھی۔

جب مدرسے کے آغاز میں دو دن باقی تھے، روباب کچن میں برتن دھوتے ہوئے اپنی سوچوں اور اداسیوں میں گم ہو گئی۔ ماضی کے تلخ منظر اس کے سامنے آ گئے، باپ سے محروم بچپن، رشتوں کی سرد مہری، زندگی کے چیلنجز، اور پھر موجودہ حالات کی مشکلات: حاشر کی بے رخی، عنایہ کی چھوٹی چھوٹی سازشیں، اور روزانہ کی پریشانیاں۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی لہر اتر گئی۔

پھر اس نے خود کو نصیحت کی،

"کیوں نہ میں اپنے اللہ سے آنے والے دنوں کی بہتری کی دعا مانگوں، اور صبر و استقامت کے ساتھ اچھے دنوں کا انتظار کروں؟"

اللہ نے اس کی دعاؤں کو سن لیا، اور دو دن کے انتظار کے بعد وہ دن آ ہی گیا جب روباب مدرسے کے دروازے میں قدم رکھ رہی تھی۔

مدرسے کا ماحول گویا سکون کا ایک جزیرہ تھا۔ صبا باجی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ کلاس کی ابتداء سورت فاتحہ سے ہوئی اور پھر آیات کی تشریح اور ان کے پیچھے چھپی حکمتوں کی روشنی میں ہدایت کی دعا شامل کی گئی۔ روباب کی زندگی میں ایک نیا موسم آ گیا تھا۔

اب وہ گھر کے کام کرتی، مگر دل سے خوش رہتی۔ اس کے مصروف لمحات صرف دنیاوی نہیں رہے تھے، بلکہ وہ مدرسے کے پر سکون کمروں اور دین کی ساتھیوں کے ساتھ اپنے وقت کو با معنی گزار رہی تھی۔ روباب کو اب تنہائی کا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اب وہ اس سفر پر رواں تھی جہاں ہر منظر صرف اللہ کی رضا کے لیے

ہوتا۔

اب نہ حاشر کی بے رخی روباب کے دل کو زخمی کرتی، نہ پھوپھو ریحانہ کا سخت لہجہ اسے ڈراتا، اور نہ ہی عنایہ کی سازشیں اسے متاثر کرتیں۔ وہ اس گھر میں اپنے فرائض نہایت خوبصورتی سے ادا کر رہی تھی، حاشر کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے وہ ہر طرح کی قربانی دے رہی تھی۔

روباب کی سوچ بدل چکی تھی۔ وہ ان دنوں سے گزر چکی تھی جب لوگوں کو راضی کرنے کی تھکن نے اس کی روح کو ختم کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ روباب نے زندگی کے اس بوجھل مرحلے کو چھوڑ دیا تھا جہاں وہ خود کو محسوس کرتی تھی۔ اب اس کے سامنے دوسروں کی ناراضگیاں بے معنی ہو گی تھی اور ہر عمل محض اللہ کیلئے۔ روباب کو یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اللہ سبحانہ وتعالی کی خاص نگاہِ کرم میں آچکی ہے۔ قرآن کی آیات کے ذریعے کبھی اسے تسلی ملتی، کبھی اللہ سبحانہ وتعالی جنت کی خوشخبری اس کے کانوں میں سرگوشی کی صورت اتارتا۔ سورۃ البقرہ، جو قرآن کی سب سے اہم صورت ہے، اسے تین ماہ میں مکمل کیا گیا، وہ ہر لمحہ کو رب تعالیٰ کی ایک خاص عطا سمجھتی رہی۔

اب قرآن کی تفصیل، ترجمہ اور مفاہیم آہستہ آہستہ اس کے دل و دماغ میں اترنے لگے۔ ہر آیت، ہر معنی، اس کے دل کو سکون دیتا۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد، جب وہ حاشر کی طرف متوجہ ہوتی، تو روز کا سیکھا ہوا علم اس کی شخصیت میں شامل کرنے کی کوشش کرتی، اسے زندگی کا لطف اب محسوس ہو رہا تھا۔

وہ قرآن کی لذت سے روح کو شاد کر رہی تھی، قرآن کی مہک اسے اپنے اطراف میں محسوس ہوتی، خوف اور خدشے اس سے جیسے کوسوں دور جا چکے تھے۔ روباب نے حجاب کو مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی زندگی کا حصہ بنالیا، تو اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے رحمتِ الٰہی نے اسے چاروں اطراف سے اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔ رفتہ رفتہ وہ اپنی باجی صبا کے عکس میں ڈھلنے لگی۔

اس کا حلیہ قریباً انابیہ کے جیسا بھی محسوس ہوتا تھا حجاب اور چادر جو کبھی اسے بوجھ محسوس ہوتے تھے، اب اسکی پہچان اور اسکا وقار بن گئے۔

یہ محض لباس کی تبدیلی نہ تھی، بلکے رب کی خوشنودی کی طرف بڑھایا گیا ایک چھوٹا سا قدم جو بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت حاصل کر گیا۔

ایک دن درسِ حدیث کے دوران باجی صبا نے ایک حدیثِ مبارکہ کا مفہوم بیان کیا:

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو بھنویں بناتی ہیں یا بنواتی ہیں۔

یہ الفاظ اس دن روباب کے دل پر یوں اترے جیسے خاموشی میں کوئی صدا گونج اٹھی ہو۔ وہ دیر تک سوچتی رہی کہ جس معمولی سے عمل کو وہ محض خوبصورتی کا ایک بے ضرر سا حصہ سمجھتی رہی تھی، وہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بن سکتا ہے۔

اسی لمحے اس نے دل سے فیصلہ کر لیا، کہ اب وہ یہ کام نہیں کرے گی جو ربِ کائنات اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ناپسندیدگی کا باعث بنے۔

یہ اللہ کی طرف اٹھایا گیا اس کا چھوٹا سا مگر خلوص سے لبریز قدم تھا۔ اور یہی قدم تھا جو اس کے لیے دین کے بڑے راستے کھولنے کا سبب بن گیا۔ قرآن کی روشنی اسکے ذہن کے بند دریچوں سے پھوٹنے لگی۔

یقیناً جب انسان اللہ کی رضا کی خاطر، اس کی ناراضگی کے خوف سے کسی گناہ کو ترک کر دیتا ہے، چاہے وہ گناہ اس انسان کی نظر میں کتنا معمولی ہی کیوں نہ ہو، تو وہی عمل اس کی روح کی زمین میں نیکی کا بیج بو دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیکیوں کو آسان اور گناہوں سے دوری کو سہل کر دیتا ہے۔ وہ دل جو کبھی غفلت میں دھڑکتا تھا، اب خوفِ خدا سے بیدار ہونے لگتا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ روباب کے دل میں غم اور اداسی کا موسم جیسے اختتام کو پہنچنے لگا تھا۔

انہی دنوں قریبی عزیزوں کی جانب سے حاشر کی بہن، نایاب، کے لیے ایک موزوں رشتہ آیا۔ مگر عائشہ نے پڑھائی کا حوالہ دے کر صاف انکار کر دیا۔ اس کا ماننا تھا کہ جب تک وہ کوئی مقام، کوئی شناخت، کوئی عہدہ حاصل نہیں کر لیتی، نکاح کرنا درست نا ہو گا۔

اسکا یہ نظریہ پختہ ہو چکا تھا۔

روباب نے نایاب کے لفظوں کے پیچھے چھپی کہانی کو فوراً بھانپ لیا تھا۔ لہجے میں الجھی ہوئی بے یقینی، اور سوچ میں بسی ناپختگی اس پر عیاں ہو چکی تھی۔ اس نے چاہا کہ نایاب سے بات کرے، مگر دباؤ یا حکم کے انداز میں نہیں، بلکہ نرمی، حکمت اور اپنائیت کے ساتھ۔

ایک دن مناسب موقع پا کر روباب نے نایاب کو سمجھایا، اس کی آواز میں شفقت تھی، جیسے بڑی بہن بول رہی ہو۔

روباب نے نایاب سے کہا "نایاب، میری بہن... نکاح محض ایک رشتہ نہیں ہوتا۔ یہ وہ بندھن ہے جو عورت کو عزت بھی دیتا ہے اور تحفظ بھی۔ یہ رشتہ عورت کو بہترین ٹھکانہ اور زندگی کو ایک واضح مقصد عطا کرتا ہے۔"

نایاب نے روباب کی طرف دیکھا، جیسے دل میں پلتا کوئی سوال لبوں تک آ گیا ہو۔

"بھابی، نکاح کے بعد تو ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ پھر تعلیم کا موقع کہاں ملتا ہے؟ زندگی میں کوئی مقام حاصل کرنے کی خواہش... وہ تو بہت پیچھے رہ جاتی ہے نا؟"

نایاب پر اعتماد ہونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

روباب مسکرا دی، جیسے کوئی ماں اپنے بچے کی معصوم الجھن پر مسکرا دیتی ہے۔ پھر وہ نہایت نرمی سے گویا ہوئی:

"نایاب، نکاح کامیابی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ وہ محفوظ راستہ ہے جو انسان کو ٹھوکر لگنے سے بچاتے ہوئے منزل تک پہنچاتا ہے۔

جب ایک لڑکی اللہ کے حکم کے مطابق ایک خوبصورت اور پاکیزہ رشتے میں منسلک ہو جاتی ہے، تو وہ دنیا کی نگاہوں، خواہشوں کے طوفانوں اور گناہوں کے اسباب سے محفوظ ہو جاتی ہے۔"

وہ لمحہ بھر رکی، پھر بات کو مزید گہرائی دی:

"نکاح عورت کو ایک محافظ عطا کرتا ہے، ایسا محافظ جو زندگی بھر اس کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ یہ رشتہ عورت کو کمزور نہیں، بلکہ مضبوط بناتا ہے۔ اور پھر اللہ اولاد جیسی نعمت عطا کر کے زندگی کو ایک اعلیٰ مقصد دے دیتا ہے۔"

نایاب خاموش تھی، مگر اس کی خاموشی بے توجہی کی نہیں، غور و فکر کی علامت تھی۔ روباب کے الفاظ جیسے آہستہ آہستہ اس کے دل کی زمین میں اتر رہے تھے۔ آج پہلی بار کسی نے نکاح کو اس زاویے سے بیان کیا تھا کہ اس کے اندر ایک نرم سی لہر دوڑ گئی۔

اس نے روباب کی باتیں صرف سنیں نہیں تھیں، بلکہ دل کی تہوں میں اتار لی تھیں۔ پہلی مرتبہ اسے یوں محسوس ہوا کہ نکاح محض ایک بندھن نہیں، بلکہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ایک حسین وسیلہ ہے۔

یوں نایاب کی اس پختہ یقینی کو ایک دھچکا لگا، اسے معلوم ہوا کہ نکاح جسے وہ رد کرنے کہ ہزار بہانے کر رہی ہے وہ دراصل اسی کی خیر خواہی کا راستہ ہے۔

عائشہ نے کچھ دیر سوچا، دل میں اٹھنے والے سوال اب الجھن نہیں رہے تھے، بلکہ جواب کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اگر اس نے زندگی میں کوئی مقام حاصل کرنا ہے، اپنی ایک پہچان بنانی ہے، تو نکاح اس میں دیوار نہیں بنے گا۔

اگلے ہی روز جب روباب نے نہایت دھیمے اور محتاط انداز میں اس سے رائے معلوم کی، تو نایاب نے پہلی ہی مرتبہ سوال سن کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

روباب کی آنکھوں میں خوشی کی اک چمک سی اتر آئی، ایسی چمک جو صرف دل سے نکلنے والی دعا کی قبولیت پر نمودار ہوتی ہے۔

اس نے محبت سے نایاب کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دل کی گہرائیوں سے دعائیں دیں، نئی زندگی کے لیے، اور ایک بہترین ہم سفر کے لیے۔

روباب فوراً پھوپھو ریحانہ کے کمرے کی طرف بڑھی، جہاں حاشر پہلے ہی موجود تھا۔ جب اس نے یہ خوشخبری سنائی کہ نایاب نے نکاح کے لیے ہاں کر دی ہے، تو حاشر کے چہرے پر ایک پُر سکون مسکراہٹ پھیل گئی۔

چند روز بعد عائشہ کے نکاح کی تاریخ طے پا گئی۔ فیصلہ یہی ہوا کہ نکاح نہایت سادگی اور مکمل شریعت کے مطابق ہو گا، نہ کوئی نمود و نمائش، نہ دکھاوا؛ بس اللہ کی رضا، کیونکہ وہی نکاح بابرکت ہوتا ہے جس میں اللہ راضا شامل ہو۔

یہ روباب کے ذریعے اس گھر میں آنے والا پہلا خاموش انقلاب تھا۔ اس سے پہلے پورے خاندان میں کسی نے بھی یوں سادگی سے نکاح اور رخصتی کا تصور تک نہ کیا تھا۔ روباب کو دلی خوشی تھی کہ حاشر نے اس کی بات کو سمجھا، اور اسے محسوس ہوا کہ حاشر کے رویّے میں بھی آہستہ آہستہ نرمی آ رہی ہے۔

یہ دین کی برکت تھی۔ روباب کی ذات جیسے کسی لطیف روشنی میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ اس کے لہجے میں نرمی، عمل میں سچائی اور اخلاص کی خوشبو اتنی نمایاں ہو چکی تھی کہ حاشر کی توجہ بے اختیار اس کی جانب لوٹنے لگی۔

یہ سب عنایہ کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔

پھوپھو ریحانہ بھی روباب میں آنے والی گہری تبدیلی کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

نایاب کی رخصتی کا دن آیا تو روباب کو دیکھنے والا ہر شخص لمحہ بھر کو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ چہرے پر سکون، آنکھوں میں وقار، اور چہرے پر حجاب کی نورانیت، یہ وہی روباب تھی جس کے شانے پر بکھرے بال کبھی اس کی شناخت ہوا کرتے تھے۔

اور آج وہی دوپٹہ، جسے وہ کبھی بوجھ سمجھتی تھی، حجاب کی صورت اس کے وجود پر عزت اور وقار کا عکس بن کر ٹھہر گیا تھا۔

اسکا انداز گفتگو اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ ایک مدرسے کی طلباء اور اہل قرآن ہے۔

دعاؤں کی روشنی میں نایاب کو اس کے نئے گھر رخصت کر دیا گیا۔

حاشر اور پھوپھو ریحانہ کے چہروں پر بھی ایک اطمینان سا تھا، وہ اطمینان جو صرف کسی فرض کی درست ادائیگی کے بعد نصیب ہوتا ہے۔

نایاب کی رخصتی کے بعد چند ہی دنوں میں گھر کے معمولات دوبارہ اپنی پرانی رفتار میں لوٹ آئے۔ روباب نے بھی معمول کی زندگی کی طرف واپسی اختیار کر لی اور دوبارہ مدرسے جانا شروع کر دیا۔

اس روز باجی صبا نے درسِ تفسیر کا آغاز ایک ایسی آیت سے کیا تھا جس نے روباب کے دل کو چھو لیا:

آیت کا مفہوم تھا "تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔"

یہ الفاظ روباب کے دل پر ایسے اترے جیسے کسی پیاسے وجود پر بارش کا پہلا قطرہ۔ وہ سوچنے لگی، اللہ تعالیٰ تو مخلوق کی محبت، یاد یا عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ جو بادشاہِ حقیقی ہے، وہ جو غنی اور بے نیاز ہے، وہ اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اسے یاد کریں، اور بدلے میں وہ خود انہیں یاد رکھے۔

کتنی حیرت انگیز بات تھی، وہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، بندوں کو یاد رکھنے کا وعدہ کر رہا ہے۔

اسی جذبِ شکر میں ڈوبی ہوئی روباب نے باجی صبا سے سوال کیا: "اگر ہم دنیا کے شور و غل، رشتوں اور بے شمار مصروفیات میں کھو جائیں، تو کیا وہ ہمیں بھلا دے گا؟"

باجی صبا نے نہایت نرمی سے جواب دیا: "اللہ بھولتا نہیں، وہ منتظر رہتا ہے، منتظر اس لمحے کا جب اس کا بندہ

خود اس کی طرف لوٹ آئے۔"

اسی لمحے روباب کے دل کے دریچوں پر ایک اور آیت نے دستک دی: "اور تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے انہیں خود ان کے نفسوں سے غافل کر دیا۔"

روباب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ جانتی تھی کہ اللہ کو بھلا دینا دراصل اپنے وجود، اپنی روح کی حقیقت کو کھو دینا ہے۔

اس نے دل سے یہ اعتراف کیا کہ اللہ کو کھو دینا انسان کا سب سے بڑا خسارہ ہے۔

وقت کے ساتھ روباب کی شخصیت دن بدن نکھرتی جا رہی تھی۔ ہر صبح اس کے لیے ایک نیا سبق لے کر آتی، اور ہر شام اسے تازہ شعور عطا کرتی۔ گھر میں پیش آنے والی ہر مشکل کا حل اب اسے قرآن و حدیث کی روشنی میں ملنے لگا تھا۔

جب بھی باجی صبا تفسیر بیان کرتیں، روباب روزمرہ کے معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھانے کا سلیقہ سیکھتی چلی جاتی۔

اس کے راستے جیسے خود بخود روشن ہونے لگے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ یہ سمجھنے لگی کہ زندگی کی کئی باتوں کو نظر انداز کر دینا ہی اصل حکمت ہے۔ اگر وہ لوگوں کے طعنوں اور تلخیوں کو دل پر لے بیٹھے، تو دل بجھ جائے گا اور خوشی ماند پڑ جائے گی۔

چنانچہ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ کسی کی تکلیف دِہ بات کو اپنے دل کے کسی گوشے میں جگہ نہیں دے گی۔

روباب کے اس پر سکون وجود کو دیکھ کر عنایہ ایک عجیب سی بے چینی کا شکار رہنے لگی، جیسے روباب کا سکون ہی اسے سب سے زیادہ تکلیف دے رہا ہو۔

روباب کے رویّے کی خوش مزاجی نے پھوپھو ریحانہ اور حاشر کو اسکی طرف جیسے اپنا گرویدہ بنا دیا تھا، وہ چیزیں جو کبھی روباب کی آنکھوں میں آنسو لے آتی تھیں، اب ان پر وہ کوئی ردِ عمل نہیں دیتی تھی۔

وقت کے ساتھ اس کی شخصیت میں جیسے موسمِ بہار اتر آیا تھا۔ اس نے لوگوں سے بے جا توقعات ختم کر

دی۔ کیونکہ اب اس کی امیدوں کا مرکز صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات تھی۔

اپنے رب سے تعلق مضبوط کرتے کرتے وہ اندر سے اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ گھریلو رشتوں میں بھی نرمی اور ٹھہراؤ پیدا ہونے لگا تھا۔

انہی دنوں ایک روز حاشر کی خالہ زاد بہن، فاطمہ، چند دنوں کے لیے رباب کے ہاں آ گئیں۔ سسرال کی بے یقینی، تلخی اور بے سکونی سے نکل کر وہ کچھ لمحے سکون میں سانس لینا چاہتی تھیں۔

رباب نے اسے خلوصِ دل سے خوش آمدید کہا۔

رباب نے فاطمہ کے لیے محبت سے کھانا تیار کیا تھا۔ دستر خوان پر رسمی باتوں کا سلسلہ جب اپنے اختتام کو پہنچا تو فاطمہ کا دل اب ضبط میں نہ رہا۔ فاطمہ اچانک ٹوٹ سی گئی اور رباب کے سامنے رونا شروع کر دیا۔

ٹوٹتی ہوئی آواز میں اس نے بتایا کہ اس کے شوہر کا تلخ رویّہ اس کے لیے زندگی کو تنگ کر چکا ہے۔ اسے اپنی سانسیں بوجھل لگتی ہیں، دل ہر وقت کسی انجانی گھٹن میں جکڑا رہتا ہے۔ شوہر کی جانب سے بے اعتباری اور بے وقعتی نے زندگی کے رنگ جیسے مدھم کر دیے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے میری ساری وفائیں ہی بوجھ بن چکی ہوں۔

رباب خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ پھر اس نے نہایت نرمی سے کہا:

"فاطمہ، میں تمہارا درد سمجھ سکتی ہوں۔ ایک عورت جب نکاح کے مقدس رشتے میں بندھتی ہے تو وہ اپنا گھر، اپنا آپ، حتیٰ کہ اپنی شناخت تک بدل دیتی ہے۔ اور جب وہی شخص اس کی عزت کو پامال کرے، اس کے وجود کو کچل دے، تو یہ اذیت دل کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے رباب نے نرمی سے فاطمہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور دھیمے لہجے میں گویا ہوئی:

"اللہ نے اگر تمہیں اس آزمائش میں ڈالا ہے تو وہ آسانی کا راستہ بھی خود ہی نکالے گا۔ تم صبر سے کام لو۔ تم کہتی ہو کہ تم اپنے شوہر سے بے حد محبت کرتی ہو، تو پھر تم پر لازم ہے کہ اس کے عیبوں پر پردہ ڈالو۔"

فاطمہ نے کانپتی آواز میں کہا مگر اسکے لئے سب کچھ اسکے بہن بھائی ہیں میں میں تو کہیں نہیں میری خاطر وہ ان سے کبھی دور نہیں ہوتا۔

فاطمہ نے چند لمحوں کے توقف کیا کہ رباب نے وہ بات کہی جو صدیوں کی حکمت کا نچوڑ تھی:

"فاطمہ کبھی اپنے شوہر سے یہ مطالبہ مت کرنا کہ وہ اپنے گھر والوں سے کٹ جائے۔ جو شخص اپنے والدین اور بہن بھائیوں کا وفادار نہیں ہوتا، وہ کبھی کسی کا وفادار نہیں ہو سکتا۔

اگر تم اس سے وفاداری کی خواہش رکھتی ہو، تو خود بھی وفا نبھاؤ، اور اسے بھی اس کی وفاؤں میں آزاد چھوڑ دو اسے بہتر بنانے کی کوشش کرو، اس کے معیار پر پورا اترنے کی سعی کرو۔ ایک دن تمہاری محنت ضرور رنگ لائے گی۔"

روباب کے الفاظ میں وہ تاثیر تھی جو صرف سچے دل سے نکل کر دوسرے دلوں کو چھو لیتی ہے۔ فاطمہ نے آنسو پونچھے اور آہستہ سے کہا: "میں ان باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔"

روباب کے ساتھ گزارے وہ چند دن فاطمہ کے لیے روح کی غذا بن گئے تھے۔ اس کے الفاظ اور نیک نیتی نے فاطمہ کے سوچنے کا انداز بدل دیا تھا۔

جب فاطمہ نے روباب کو عنایہ کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آتے دیکھا تو اس کے دل میں روباب کے لیے عزت اور بڑھ گئی۔ وہ دل ہی دل میں اس حقیقت کا اعتراف کرنے لگی کہ ایک عورت جب دین سیکھتی ہے اور اس پر عمل کرتی ہے تو وہ صرف خود نہیں سنبھلتی، بلکہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کی زندگیوں پر بھی مثبت اثر ڈالتی ہے۔

ایک شام باغیچے کی نرم مٹی پر سورج اپنی زردی بکھیر رہا تھا۔ فاطمہ ایک کونے میں بیٹھی اپنی ننھی سی بیٹی، رائقہ، کے لیے سردیوں کا سویٹر بن رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر روباب پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ فضا میں خاموشی اور ان کہی سی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

اچانک رائقہ نے گیلی مٹی اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں لی اور کھیل کھیل میں اپنے کپڑے گندے کر لیے۔ یہ پہلی دفعہ نہیں تھی، دن میں کئی بار وہ یہی حرکت کر چکی تھی، اور ہر بار کپڑے بدلے جا چکے تھے۔ فاطمہ نے پہلے بھی اسے پیار سے سمجھایا تھا، مگر اس بار صبر کا بندھن ٹوٹ گیا۔

جھنجھلاہٹ میں اس نے بیٹی کو ڈانٹ دیا اور ایک ہلکی سی ضرب لگا دی، جو جسم کو کم، مگر دل کو بہت زیادہ لگی۔

رائقہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

جیسے ہی وہ رونے لگی، فاطمہ کا دل پگھل گیا۔ اس نے فوراً بیٹی کو سینے سے لگا لیا اور نرمی سے بولی:

"یہ تم کیا حرکتیں کرتی ہو، رائقہ؟ میں تمہیں بار بار سمجھاتی ہوں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں تمہیں ڈانٹوں... مگر تم مجھے مجبور کر دیتی ہو۔

میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ ماں کا دل اپنی اولاد کی تکلیف پر کیسے دھڑکتا ہے؟"

ماں کی آغوش میں رائقہ سسکیاں لیتے ہوئے خاموش ہو گئی، اور فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

روباب یہ منظر دیکھ رہی تھی، کہ ذہن پر قرآن کی آیات کی روشنی اتری، وہ خود سے گویا ہوئی: "اللہ بھی تو ہمیں ایسے ہی سمجھاتا ہے۔ وہ تو ایک ماں سے ستر گناہ بڑھ کر محبت کرتا ہے۔"

قرآن کی آیات اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ اس نے سوچا ربِ کریم بار بار ہمیں نصیحت کرتا ، ہمیں سمجھاتا ہے وہ قرآن میں فرماتا ہے، کہ "اللہ کو عذاب دے کر کیا حاصل، اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ"۔ اللہ اپنے بندوں کو بار بار تنبیہ کرتا ہے، مگر ہر نصیحت کے بعد اس کی رحمت جھلکتی ہے۔ روباب کے دل میں اک سوال ابھرا: "کیا ہم وہ نافرمان بندے تو نہیں جو اللہ کی ہر بار کی تنبیہ کے باوجود اپنی مرضی کی مٹی میں لتھڑے رہتے ہیں؟ ایک اولاد کی محبت اگر ماں کو رلا سکتی ہے تو خالق کو بھی تو پسند نہیں ہو گا۔"

کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔

چند دنوں کی پناہ، سکون اور نصیحتیں لیے فاطمہ اپنے شوہر کے ہمراہ روانہ ہونے لگی تو دروازے پر پہنچ کر فاطمہ نے اک آہ بھری اور پھر روباب کی طرف لپک کر کہا

"اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے تم جیسی ناصح بہن دی، ایک ایسی بہن جس کے لفظ دل پر مرہم رکھتے ہیں۔"

روباب نے ہلکی سی مسکراہٹ اور دل کی دعا کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ فاطمہ کے جانے کے بعد روباب آنگن کے باہر کھڑی خاموش سوچ میں ڈوب گئی: وہ سوچ رہی تھی، شاید اصل کامیابی یہی ہے، کسی کے دل میں اللہ کی یاد کو تازہ کر دینا۔

اسی رات پھپھو ریحانہ شدید سر درد کی تکلیف سے کراہ رہی تھیں۔ روباب نے خدمت سے ان کی تکلیف کم کرنے کی کوشش کی۔ انھیں سر درد کی دوا دی، سر دبایا اور کمرے کی روشنی مدھم کر دی اس کی مہربان کوشش کی برکت سے پھوپھو ریحانہ کا سر درد کم ہو گیا، اور جلد ہی پھپھو ریحانہ پر سکون نیند میں سو گئیں۔ روباب نے دل

سے اللہ کا شکر ادا کیا۔ صبح جب ان کی آنکھ کھلی، تو وہ ٹھیک تھیں۔ روباب خاموشی سے ان کے کمرے میں داخل ہوئی، سلام کیا اور محبت سے ناشتہ ان کی میز پر رکھ دیا۔

پھپھو ریحانہ نے اپنی شفقت بھری نگاہ روباب کے چہرے پر ڈالی اور دل سے کہا:

"اللہ کا رنگ ہو تم پر، بیٹی۔"

یہ مختصر جملہ روباب کے دل کو چھو گیا۔ اسے اپنی ماں کے ساتھ گزارے وہ آخری دن یاد آ گئے، وہ دعا جو آخری مرتبہ روباب کو اس کی اماں جان نے دی تھی۔ آج اس دعا کا مفہوم اس کے دل میں اتر چکا تھا۔ آمین کہتے ہوئے روباب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پھپھو ریحانہ کو دیکھا اور باغیچے میں لگے پودوں کو پانی دینے چلی گئی۔

دل میں وہ سوچ رہی تھی: "اللہ کا رنگ... یہ تو دنیا کے تمام رنگوں سے جدا ہے۔ یہ قربِ الٰہی کا رنگ ہے، وہ رنگ جو انسان کو اس کی اصل پہچان عطا کرتا ہے۔"

روباب کا ذہن سورۃ البقرہ کی آیات کی طرف لوٹ گیا، جس کا مفہوم تھا اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔ اسے محسوس ہوا کہ اماں جان کی دعا اس کے دامن میں اتر گئی ہے۔ آج روباب پر صبغتُہ اللہ کا معنی روشن ہوا، تھا اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے دل پر اللہ نے اطمینان کا قطرہ ٹپکا دیا ہو۔ دل میں کوئی خوف یا شکوہ باقی نہیں رہا۔ اور کچھ باقی تھا تو وہ تھی شکر گزاری۔

رفتہ رفتہ روباب کو ہجوم سے شور شرابے سے بے مقصد محفلوں سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ اسے تنہائی کی لذت کا ادراک ہو چکا تھا۔ اس دن اس نے فیصلہ کیا کہ تنہائی کو اللہ کے ذکر سے سجانا ہی اصل سجانے ہے۔ وہ اکثر حاشر سے کہتی:

"ایسی خلوت، ایسی خاموشی ہزار محفلوں سے افضل"

وقت کے پہیے کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ روباب کی ذات میں یہ تبدیلی گھر والوں کی بھی اصلاح کا ذریعہ بن رہی تھی۔ روباب ہر چیز کو دل کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی، نیلے آسمان کی وسعتوں کو محسوس کرتی، اور زمین پر اگنے والے تناور درخت کو دیکھ کر رب کی قدرت کو محسوس کرتے ہوئے بے اختیار اللہ کی تعریف بیان کرنے لگتی۔ قدرت کی تخلیق پر غور و فکر ہر مرتبہ اسے پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتا تھا۔

ہر دن وہ اللہ کی رضا کے لیے کوئی نہ کوئی عمل ضرور کرتی، جسے صرف اللہ ہی جانتا ہو۔ چھوٹی چھوٹی کوششوں سے اللہ کی قربت اسے حاصل ہو گئی تھی۔

یہ وہ دن تھے جب روحانیت روباب کے چاروں اطراف، پھیل رہی تھی کہ اچانک زندگی کی شہرہ پر علالت کی دستک نے اسے روک دیا۔

صحت کی فراوانی، جو کل تک روباب کو فطرتی محسوس ہوتی تھی، آج اسے ایک نادیدہ زنجیر میں جکڑ چکی تھی۔ جب ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے دل کا ایک وال بند ہے، تو وہ لمحہ ایسا تھا جیسے زمین اس کے قدموں تلے سے کھسک گئی ہو۔ اسے ہر شے دھندلی، ہر آواز دور، اور ہر لمحہ بوجھل محسوس ہونے لگا، حاشر بھی حد درجہ فکر مند ہو گیا تھا، اور روباب نے قریباً ڈیڑھ ماہ ہسپتال کے کمرے میں گزارا۔

ان دنوں نے اس کی خود فریبی کو مکمل طور پر توڑ دیا گیا، اسے تسلیم کرنا پڑا کہ صحت اور زندگی سب سے بڑی آسائش ہیں۔ ایک دن کچھ طبی جانچ کے لیے اسے ویل چیئر پر اسپتال کی بلند عمارت کی پانچویں منزل پر لے جایا گیا۔ نیم بستری وجود لیے روباب سوچنے لگی: کہ وہ انسان جو زمین کا سینہ چاک کر کے آسمان سے باتیں کرتی بلند و بالا عمارتیں کھڑی کر تا دیتا ہے۔ بیمار ہو جائے تو کروٹ بدلنے کا بھی محتاج ہو جاتا ہے

اسپتال میں پڑے بکھرے چہروں کو اس نے غور سے دیکھا۔ ہر چہرے پر دکھ اور تکلیف کی مختلف شاخیں نمودار تھیں۔ ہر چہرے پر پریشانی اور دکھ کی اک الگ داستان تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ انسان کتنا کمزور ہے۔ جس صحت کو وہ اپنی طاقت سمجھتا ہے، اپنی چال، گفتار، اختیار پر ناز کرتا ہے، اور بھول جاتا ہے کہ ہر سانس بھی اللہ ہی کی عطا ہے۔

جب بیماری بدن میں اترتی ہے، تو وہ اپنے خالق کو یاد کرتا ہے جسے ایامِ عافیت سے بھلا دیا تھا۔ پھر اک صبح اسے راہداریوں سے گزار کر آپریشن تھیٹر کی سفید، اجنبی دنیا میں لے جایا گیا۔

روشنی کی تیز کرنیں، ڈاکٹر کی سرگوشیاں، چیز دل چیر دینے والی خاموشی اسکے دل میں وحشت پیدا کر رہی تھیں۔ اس نے سوچا: اگر میری بند آنکھیں قبر کی تاریکی اور تنہائی میں کھلیں، تو میں اپنے خالق کے سامنے کیا جواب دوں گی؟ جب کہ اللہ ہر انسان کو بارہا یہ موقع دیتا ہے کہ وہ واپس اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

مگر انسان زندگی سے اتنی امید لگاتا ہے کہ ہر دن کو یہ سوچ کر گنوا دیتا ہے کہ ابھی کل کا دن باقی ہے، اور یہ سوچ اسے بعض دفعہ اللہ کی رضا حاصل نہیں کرنے دیتی۔

یہ روباب کی خوش بختی تھی کہ دل کا نازک آپریشن کامیاب رہا۔ اللہ نے اسے پھر ایک زندگی کی صورت میں خوبصورت مہلت عطا کی۔ جب سورج کی روشنی دوبارہ اس کی آنکھوں میں اُتری، تو اس لمحے اس نے دل کی گہرائیوں سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ شعور روباب کی زندگی میں روشنی کی مانند چمکنے لگا۔ اب وہ اپنی زندگی کو اللہ کی محبت اور فرمانبرداری کے رنگ میں رنگنا چاہتی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ ہر لمحہ اللہ کی امانت اور لمحوں کو رائیگاں جانے دینا امانت میں خیانت ہے، اس وقت روباب کے قریب اک چہرہ چمک رہا تھا، حاشر کا چہرہ۔ وہ چہرہ جو روباب کی زندگی کی کٹھن گھڑیوں میں خوشی اور سکون کا سبب بن رہا تھا۔ حاشر روباب کو زندہ پا کر شکر ادا کر رہا تھا اور روباب حاشر کی نظروں میں وہ پہلے سی محبت دیکھ کر۔ حاشر عنایہ کی سخت کلامی کی عادت نے روباب کا قدردان بنا دیا تھا۔

طبیعت سنبھلنے پر ڈاکٹر نے روباب کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا۔ جب وہ ہسپتال کی عمارت سے باہر نکلی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی طویل قید سے رہائی پا گئی ہو۔ دروازے کی دہلیز پار کرتے ہی اس کی زبان بے اختیار شکر کے کلمات سے تر ہو گئی۔ نگاہ لاشعوری طور پر پھیلے ہوئے وسیع آسمان پر جا ٹھہری، نیلا، خاموش اور پُر ہیبت۔ اسے یوں لگا جیسے آسمان اپنی تمام وسعتوں سمیت اسے ایک نئی مہلت دے رہا ہو، ایک اور موقع، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا خود کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کا۔

اس لمحے دل میں عجیب سا سکون اتر آیا۔ اسے شدت سے احساس ہوا کہ صحت واقعی اللہ کی نعمتوں میں سے قیمتی نعمت ہے، اور اگر یہی نعمت خالق کی رضا کے حصول میں صرف ہو جائے تو زندگی محض سانسوں کا سلسلہ نہیں رہتی، عبادت بن جاتی ہے۔ چند دن کے آرام کے بعد وہ دوبارہ زندگی کی طرف قدم بڑھانے لگی، آہستہ آہستہ، مگر پورے یقین کے ساتھ۔ مدرسے کے صحن سے جڑا اس کا رشتہ اب پہلے سے کہیں زیادہ گہرا ہو چکا تھا۔ وہ اُس چار دیواری میں بسی نورانیت کی طرف دوبارہ لوٹنا چاہتی تھی، وہ جانتی تھی کہ عورت کی دین کے ساتھ انسیت، چاہے گھر کی دہلیز کے اندر ہو یا درسگاہ کے ایک مختصر حجرے میں، نسلوں کے مقدر سنوار دیتی ہے۔ دین کی محنت گھروں میں سکینت اتارتی ہے، دلوں میں ٹھہراؤ پیدا کرتی ہے۔

زندگی نے ایک بار پھر اسے اسی مدرسے کی طرف لے جانا شروع کر دیا جہاں اس نے علم کا ذائقہ چکھا تھا۔ وہی مدرسہ جہاں وہ کبھی سوالوں کی گٹھڑی اور دل میں اضطراب لیے ایک طالبہ بن کر آئی تھی۔ آج وہیں ایک

استاد کی حیثیت سے لوٹنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ چند دنوں کی مخلص کوششوں کے بعد اللہ نے اس کے لیے وہ دروازہ کھول دیا جس کا اسے برسوں سے انتظار تھا۔ اللہ نے اسے علم پھیلانے کا وسیلہ بنا دیا تھا۔

اب اس کی ذمہ داری پہلے سے کہیں بڑھ چکی تھی، کیونکہ اب وہ قرآن کی نسبت سے دوسروں کے دلوں کو اللہ سے جوڑنے کا رہی تھی۔

اس کے قدموں میں لرزش، مگر دل میں عجیب سی طمانیت تھی، جیسے کوئی دریا برسوں بعد اپنا راستہ پالے۔ وہ چاہتی تھی کہ جس نورانیت نے اس کی اپنی زندگی بدل دی، وہی نور وہ اب طالبات کے دلوں میں بھی اتار سکے، وہی سکون، وہی یقین۔

آخر وہ دن آ ہی گیا جب اس نے ایک بار پھر مدرسے کے پُرسکون صحن میں قدم رکھا۔ وہی جگہ جہاں وہ کبھی ٹوٹے ہوئے دل اور زخمی روح کے ساتھ آئی تھی۔ آج وہ چند تھکے دلوں کو سہارا دینے آئی تھی، چند بوجھل روحوں کو صبغۃُ اللہ کے رنگ میں رنگنے، وہ رنگ جو اگر ایک بار چڑھ جائے تو کبھی مدھم نہیں ہوتا۔

آج مدرسے کی چار دیواری میں اس کے اعمال اسکی اماں جان کیلئے صدقہ جاریہ بننے جا رہے تھے،

اس پُرسکون ماحول میں گزرنے والے دن اب اس کے لیے قرار، ثبات اور شکر کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ انہی منور دنوں کے درمیان اچانک اس کی زندگی نے ایک نیا موڑ لیا۔ ایک دن جب وہ مدرسے سے واپس لوٹی تو گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی دل میں ایک اجنبی سا احساس جاگا۔ جب وہ اندر داخل ہوئی تو ٹھٹھک کر رہ گئی۔

بیٹھک میں داخل ہوتے ہی روباب کی نگاہ چچا حمید، اور چچی راحیل پر پڑی، مگر عنایہ کی حالت دیکھ کر روباب کے دل میں ایک انجانا سا خدشہ جاگا۔ اس کا چہرہ زرد، آنکھیں سوجی ہوئی اور وجود ایسا جیسے کئی راتوں کی نیند اس سے چھین لی گئی ہو۔

روباب نے حسبِ عادت پہلے چچا حمید اور پھر چچی راحیل سے خیریت دریافت کی، چند لمحے کمرے میں خاموشی چھا گیا، بوجھل، سانس روک لینے والی۔ پھر اچانک چچی راحیل کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ زار و قطار رونے لگیں، جیسے برسوں کا جمع شدہ دکھ ایک ہی لمحے میں آنسوؤں کا راستہ پا گیا ہو۔

چند ہی لمحوں میں حقیقت روباب پر عیاں ہو گئی، کہ حاشر نے عنایہ کو طلاق دے دی تھی۔

روباب شدید حیرانگی کے عالم میں تھی۔ آخر کیسے وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اس طوفان سے وہ بے خبر

کیسے رہی؟ دل میں جیسے کسی نے آہستہ سے مگر گہرا زخم لگا دیا ہو۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس لمحے کیا کہے، کیا کرے، چچا حمید کی آواز رندھ گئی۔

"شاید تم پر کی گئی ناانصافیاں... اور ہماری کوتاہیاں... آج ہماری بچی کو یہ دن دکھانے کا سبب بن گئیں۔"

یہ کہتے ہوئے ان کی نظریں جھک گئیں۔ عنایہ جو پہلے ایک مجسمے کی طرح صوفے کے کنارے بیٹھی تھی اپنا ضبط توڑ کر روتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی اور روباب کی طرف لپکی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، آواز ٹوٹ رہی تھی۔

"روباب... مجھے معاف کر دو... میں جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا۔ نہ تمہیں اپنے گھر میں چین لینے دیا، نہ یہاں۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی تمہیں تکلیف دینے کی..."

وہ سسکیوں کے درمیان بولتی جا رہی تھی، جیسے اعترافِ جرم اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر دے گا۔ اسی ٹوٹی ہوئی حالت میں اس نے وہ بات بھی کہہ دی جو برسوں سے چھپی ہوئی تھی،

کہ اس نے خود حاشر سے محبت کا اظہار کیا تھا، کہ وہ حاشر کو پسند کرتی تھی، اور یہ سب وہ روباب سے چھپاتی رہی۔

روباب ایک مجسمے کی طرح کھڑی سب کچھ سنتی رہی۔ نہ آنسو، نہ لفظ، نہ کوئی ردِ عمل۔ صرف دل تھا جو اندر ہی اندر بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس لمحے کس کو تسلی دے، کس کے درد کا بوجھ اٹھائے، اور اپنے دل کے زخموں کا کیا کرے۔

نایاب بار بار اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

چاچی راحیل وہ بھی خاموش، شرمندہ، نظریں چرا کر بیٹھی تھیں، جیسے سب کچھ کہہ دینے کے بعد اب الفاظ بھی ساتھ چھوڑ چکے ہوں۔

بیٹھک میں خاموشی چھا گئی۔

روباب کے سامنے اب صرف دو راستے تھے۔

ایک یہ کہ وہ بھی وہی رویّہ اختیار کرے جو اس کے ساتھ رکھا گیا تھا، تلخی، شکوہ، حساب کتاب،

اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے سب کچھ معاف کر دے۔

وہ جانتی تھی کہ دوسرا راستہ نفس کے لیے کٹھن ضرور ہوتا ہے، مگر اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ اس کے دل میں ایک خیال ابھرا،

اللہ بھی تو ہماری بے شمار خطاؤں کے باوجود ہمیں معاف کر دیتا ہے، پھر میں کون ہوتی ہوں حساب لینے والی؟ سزا دینے والی؟

اسی خیال نے دل کی جمی ہوئی سختی کو پگھلا دیا۔

اس نے سامنے بیٹھے چچا حمید، چچی راحیل، اور عنایہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز میں نہ شکوہ تھا، نہ لرزش، بس ایک وقار، ایک ٹھہراؤ تھا۔

اس نے دھیمی آواز میں کہا"میرے دل میں آپ سب کے لیے کوئی میل نہیں۔

جو ہونا تھا، ہو چکا۔

میں آپ سب کو معاف کرتی ہوں...

اور دعا ہے کہ اللہ بھی آپ کو معاف فرمائے۔

آپ کا شرمندہ ہونا ہی میرے لیے کافی ہے۔"

یہ وہ جواب تھا جس کی انہیں توقع نہ تھی۔

روباب کی اس کرم نوازی نے انہیں ایسی گہرائی میں اتار دیا جہاں شرمندگی بولتی نہیں، صرف محسوس کی جاتی ہے۔ سب کے سر جھک گئے۔

انہیں وہ سب منظر ایک ایک کر کے یاد آنے لگے،

جب روباب اور اس کی والدہ نے ان کے گھر میں بے سبب تلخیاں سہیں۔

جب خاموشی کے پردے میں ظلم کیا گیا۔

جب عنایہ، روباب کے اپنے ہی گھر میں اس کے لیے اذیت کا سبب بنتی رہی، اور وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہی۔

آج روباب کے چہرے پر کوئی شکوہ نہ تھا، صرف خاموش وقار،

اور یہی خاموشی ان کے دلوں پر سب سے بھاری پڑ رہی تھی۔

وہ سمجھ گئے تھے کہ معافی مانگ لینا آسان ہوتا ہے،

مگر معاف کر دینا...

یہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کا دل صبغۃُاللہ کے رنگ میں رنگ چکا ہو۔

اس گہرے احساسِ شرمندگی میں چچا حمید نے آہستگی سے روباب کے سر پر ہاتھ رکھا۔ مگر اس میں وابستگی نہ تھی، بس ایک خاموش اعتراف۔ پھر وہ کچھ کہے بغیر وہاں سے چلے گئے۔

روباب کو یوں محسوس ہوا جیسے اس لمحے ان سے اس کا دل کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا ہو۔ جیسے کوئی نازک ڈور جو پہلے ہی کمزور تھی، اب آخری جھٹکے سے بکھر گئی ہو۔

وہ خاموش کھڑی رہی۔ آنکھوں میں آنسو نہ تھے، مگر دل پر غم کا بوجھ حد سے بڑھ چکا تھا۔ ایسا غم جو شور نہیں کرتا، بس اندر ہی اندر انسان کو تھکا دیتا ہے۔

وہ جانتی تھی،

کچھ رشتے ٹوٹ کر، ایک مستقل خاموشی چھوڑ جاتے ہیں۔

ان کے جانے کے بعد روباب خاموشی سے پھوپھو ریحانہ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ شاید وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر حاشر نے اتنا بڑا فیصلہ کن بنیادوں پر کیا تھا۔

پھپھو ریحانہ نے ٹوٹی ہوئی آواز میں بات کھولی۔

"کافی عرصے سے حاشر اور عنایہ کے درمیان معاملات بگڑ چکے تھے۔ عنایہ کسی معاملے میں اس کی اطاعت نہیں کرتی تھی۔ حاشر نے بہت درگزر کیا، بہت صبر کیا... مگر آج اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ بات یہاں تک نہ پہنچے، مگر عنایہ نے حاشر کو اس فیصلے پر مجبور کر دیا تھا۔"

روباب خاموش سنتی رہی۔ نہ سوال کیا، نہ کوئی فیصلہ صادر کیا۔ وہ جانتی تھی کہ ہر ٹوٹا ہوا رشتہ اپنی جگہ ایک قیامت ہوتا ہے، چاہے اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں۔

اس نے عنایہ کی آنے والی زندگی کے لیے دل ہی دل میں دعا کی، پھر آہستہ سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

یہ سب دیکھ کر روباب کے دل میں کوئی خوشی نہ تھی۔ یقیناً جو لوگ اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، وہ کسی کے نقصان پر خوش نہیں ہوتے، خواہ وہ شخص کبھی ان کے لیے باعثِ اذیت ہی کیوں نہ رہا ہو۔

کمرے کی خاموشی میں اس نے آنکھیں بند کیں،

اور دل ہی دل میں بس اتنا کہا:

یااللہ... سب کے دلوں کو اپنی طرف پھیر۔

اس سب کے بعد روباب کے دل میں ایک عجیب سی ٹیس اُٹھنے لگی۔ وہ شدید ذہنی اذیت محسوس کر رہی تھی۔ اسے اس بات کا گہرا دکھ تھا کہ اس نے عمر بھر اپنوں ہی سے دکھ سہے تھے۔ چچا حمید، چچی راحیل اور عنایہ، یہ وہ چہرے تھے جنہیں وہ اپنا سمجھتی رہی، مگر یہی لوگ اس کی زندگی میں مسلسل اذیت کا سبب بنتے رہے۔

اسی کرب کے عالم میں اس کی آنکھ لگ گئی۔

خواب میں اس نے خود کو ایک کچی مٹی کی کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ بیٹھا پایا۔ وہ خود کو زار و قطار روتے ہوئے دیکھ رہی تھی، جیسے دل کے سارے بوجھ آنسوؤں کی صورت بہہ نکلے ہوں۔ فضا میں عجیب سی خاموشی تھی، وقار سے بھری ہوئی، مگر روح کو چیرتی ہوئی۔

اسی اثنا میں کسی بزرگ نے اسے سلام کیا۔

روباب نے چونک کر نگاہ اٹھائی تو سامنے ایک نہایت خوبصورت اور سنت کے مطابق حلیے والے باوقار بزرگ خاموش کھڑے تھے۔ پھر نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں انہوں نے روباب سے کہا:

"اندر اس کچی کوٹھڑی میں آپ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ تمہیں ان سے ملنا ہے۔ انہوں نے خود تمہیں بلایا ہے۔"

یہ الفاظ روباب کے کانوں میں پڑے تو اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ ایک عجیب سی بے قراری اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ گھبراہٹ اور شوق کے ملے جلے احساس کے ساتھ تیزی سے کوٹھڑی کی طرف لپکی تھی۔

مگر عین اُس لمحے، جب وہ دہلیز پار کرنے ہی والی تھی،

اس کی آنکھ کھل گئی۔

روباب ہانپتی ہوئی جاگ اٹھی۔

اس دل میں ایک شدید افسوس اتر آیا۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔

آخر کیوں میں اندر نہ جا سکی؟

آخر کیوں اتنی مبارک ہستی سے ملاقات نصیب نہ ہو سکی؟

یہ حسرت اس کے دل میں دیر تک سلگتی رہی۔

وہ جانتی تھی، یہ خواب محض ایک خواب نہ تھا،

بلکہ ایک پکار تھی...

جس کی تکمیل شاید ابھی باقی تھی۔

رفتہ رفتہ روباب کا دل سنبھلنے لگا، اور زندگی دوبارہ اپنے معمول کی طرف لوٹنے لگی۔ معاملات نے ایک بار پھر ترتیب پکڑلی۔ آج پھر روباب کو حاشر کی طرف سے وہی پہلی سی محبت عطا کر دی گئی تھی، مگر آج روباب ویسی نہ رہی تھی۔ اب اس کے دل میں وہ شدت، وہ وابستگی، وہ مرکزیت باقی نہ تھی۔

اس کی امیدوں کا مرکز اب حاشر نہیں رہا تھا۔

اس کی امیدوں کا مرکز اب صرف ایک ذات تھی،

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات۔

اس کا اپنے رب سے ایسا گہرا رشتہ استوار ہو چکا تھا کہ انسان اب اس کے سہارا نہیں رہے تھے۔ لوگوں کی محبت، ان کی توجہ، ان کی رضا، یہ سب اب اس کے دل کے فیصلے نہیں تھے۔ وہ اپنی زندگی کی تمام تکلیفوں کے بدلے اپنے اللہ کو پا چکی تھی، اور یہی اس کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

زندگی اب صبغۃُاللہ کے رنگ میں ڈھل چکی تھی۔

وہ اپنے نفس کے خلاف جاری اس طویل جنگ میں غالب آچکی تھی۔ ہر دن، ہر لمحہ، وہ اپنے نفس کو جھکاتی رہی، کبھی خاموشی سے، کبھی دعا کے ساتھ، کبھی صبر کے سہارے۔ اور اسی جدوجہد نے اس کی زندگی کو بہتری کی طرف موڑ دیا تھا۔

صبغۃُ اللہ وہ رنگ تھا جس نے اس کی زندگی کو تمام تر اذیتوں کے باوجود اس کے خالق سے جوڑ دیا تھا۔

وہ رنگ جس نے دکھوں کے ہجوم میں بھی اس کے دل کی طمانیت کو مجروح نہ ہونے دیا۔

اب روباب کی زندگی حقیقی معنوں میں اللہ کے رنگ میں رنگ چکی تھی۔

وہ لوگوں کی محبت سے دستبردار ہو چکی تھی،

لوگوں کی توجہ سے آزاد،

لوگوں کی رضا سے بے نیاز۔

دنیا کی نمود و نمائش اس کے لیے بے وقعت ہو چکی تھی۔

اب اس کی زندگی کا مقصد صرف ایک تھا،

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حضوری۔

اسی کی خاطر اس کا جینا تھا،

اسی کی خاطر اس کا مرنا۔

اب وہ اپنے تمام فیصلے، اپنے تمام معاملات،

اسی رب کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق کرنے والی بن چکی تھی۔

اور اللہ ہی کی رضا اسکا مقصد حیات بن چکی تھی۔۔۔

صبغۃ اللہ
اللہ کا رنگ
(ناول)
سویرا ثاقب